MIS™

سیرت النبی ﷺ

قدم بہ قدم

ایم آئی ایس پبلشرز

سیرت النبی ﷺ قدم بہ قدم

جلد اوّل

تالیف
عبداللہ فارانی

ناشر
ایم آئی ایس پبلشرز
523، بلاک سی، آدم جی نگر، کراچی
فون 021-4944448, 4931044

فہرستِ مضامین

عرضِ ناشر

بحمد اللہ کتاب ''سیرت النبی ﷺ قدم بقدم'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ایم آئی ایس پبلشرز کی جانب سے اس سے قبل بھی پیارے بچوں کے لیے کئی مختلف دلچسپ وتعمیری سلسلے پیش کیے گئے ہیں۔ یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت سے کون واقف نہیں؟محسن انسانیتؐ کے حالات وتعلیمات کو جاننے کے لیے بھی اور اپنی زندگیوں کو اتباعِ نبویؐ کے سانچے میں ڈھالنے اور اپنی عظیم تاریخ سے واقفیت کے لیے بھی اس موضوع کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔اسی لیے ہر دور میں اس اہم موضوع پر گراں قدر کام ہوتا رہا ہے۔

پیشِ نظر کتاب جناب عبداللہ فارانی صاحب نے مستند ماٰخذ سے بہت ہی سہل انداز میں تالیف کی ہے۔بچوں کے لیے بے سروپا و بے فائدہ لٹریچر کی بجائے اس کتاب کا مطالعہ ان کی شخصیت نکھارنے میں انشاء اللہ بہت ہی مفید ثابت ہوگا۔نیز یہ کتاب بڑوں کے لیے بھی اتنی ہی مفید ثات ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں۔آمین ثم آمین۔

فقط والسلام

ڈائریکٹر ایم آئی ایس

حروفِ چند

امت مسلمہ کا ہر ہر فرد اس حقیقت سے واقف ہے کہ اللہ تعالی کے احسانات اور بے شمار نعمتوں کے بعد پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم سب پر سب سے بڑا احسان ہے، ان کی برکت سے ہم آج اشرف الامم میں شامل ہیں۔ ان کا وجود مسعود بلاشبہ تمام عالم کے لیے سراپا رحمت ہے وہ دنیا میں بھی رحمت بن کر تشریف لائے اور آخرت میں بھی امت کو رحمت کا سائباں ان ہی کی دم سے نصیب ہوگا۔ ان عظیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حقوق امت پر بھی عائد ہوتے ہیں، ان حقوق کے منجملہ محبت بھی ہے بلکہ ایک حدیث شریف میں اسکی اس قدر اہمیت بیان فرمائی ہے کہ جب تک محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا و مافیہا کی محبت سے بڑھ کر نہ ہو تو ایمان ہی کامل نہیں ہوسکتا۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اسی فرمان نبوی کے تناظر میں خدمت نبوی میں عرض کیا یا رسول اللہ! میرے دل میں تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ آپ کی محبت ہے لیکن اپنے والدین اور بیوی بچوں کی محبت دل میں غالب ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر! ابھی تک بات نہیں بنی! یعنی ابھی تک تم کمالِ ایمان کے درجہ تک نہیں پہنچے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گئے پھر بولے: سرکار! آپ کی محبت اب والدین اور بیوی بچوں کی محبت پر بھی غالب ہوگئی یعنی کہ اب

میری نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تمام دنیا و مافیہا حتی کہ ماں باپ بیوی بچوں کی بھی محبت سے بڑھ کر ہوگئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر: اب ٹھیک ہے! یعنی اب تمہارا ایمان کامل درجہ کا ایمان ہوگیا ہے۔

اس روایت کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا، اور یہ بھی ایک محسوس ہونے والی بات ہے کہ جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کا تذکرہ بار بار کیا جاتا ہے یا پھر جب کسی سے محبت پیدا کرنی مقصود ہوتی ہو تو اچھے اچھے الفاظ میں اس کا تذکرہ خوب کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے دلوں میں پیدا کرنا اور ان سے اپنی کامل عقیدت کا برتاؤ رکھنا ہم تمام مسلمانوں کے لیے از حد ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا، اس دور میں جبکہ ہم دورِ نبوت سے صدیوں کے فاصلے پر ہیں اپنے دلوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو کیسے پیدا کریں گے؟ اور اُن کی ذات بابرکات سے کمال درجہ کی عقیدت کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب سادہ سا ہے وہ یہ کہ ہم سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ کریں! سیرت کے واقعات پڑھیں اور سیرت کے بیانات سنیں تو انشاء اللہ ہمارے دل محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور و مسرور ہوں گے۔

اس مقصد میں کامیابی کے لیے ہمارے پیش نظر کتاب ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم بہ قدم'' ایک بہترین اور شاندار کتاب ہے جس کو جناب عبداللہ فارانی صاحب نے بڑے عمدہ سلیقہ اور نہایت شستہ زبان میں مرتب فرمایا ہے۔ اللّٰہم زد فزد۔

میں بھی سوچتا تھا کہ یہ عبداللہ فارانی کون ہے؟ ہفتہ وار بچوں کا اسلام میں ان کا یہ سلسلہ وار مضمون نظروں سے گذرتا تھا میں اور میرے بچے بھی اس کو پڑھتے تھے، گذشتہ ماہ رمضان میں عمرہ پر بچوں کے ساتھ جانا ہوا وہاں معلوم ہوا کہ عبداللہ فارانی صاحب بھی اپنی

ٹیم کے ساتھ عمرہ پر تشریف لائے ہوئے ہیں تو میرے بیٹے انس نے بڑا اصرار کیا کہ محترم فارانی صاحب سے ملاقات ضرور کرنی ہے چنانچہ ہم نے معلوم کرتے کرتے کر ہی لیا کہ محترم فارانی صاحب عصر کی نماز سے لیکر مغرب تک حرم شریف میں مطاف کے اندر حطیم کے بالکل سامنے والی ابتدائی صفوں میں اپنی ٹیم کے ہمراہ تشریف فرما ہوتے ہیں چنانچہ ہم نے بالآخر فارانی صاحب کی زیارت کا شرف بیت اللہ میں حاصل کیا۔

نہایت سادہ وضع قطع، تقریباً ساٹھ پینسٹھ سال کی عمر والے، میانہ قد، ہلکے پھلکے بدن والے، چہرہ پر داڑھی جس کے اکثر بال سفید، سانولی رنگت اور نہایت سادہ لباس اور گفتگو تکلف سے خالی اپنائیت سے بھری ہوئی، گویا کہ ایک سچے اور مخلص مؤمن کی شکل میں یہ تھے جناب عبداللہ فارانی صاحب۔ ان کی تحریریں، ان کے سینکڑوں ناول دیکھ کر یہ خیال ہوتا تھا کہ جناب فارانی صاحب کوئی پروفیسر یا دنیادار ٹائپ کے جرنلسٹ ہونگے، لیکن دیکھ کر اندازہ ہوا کہ جناب فارانی صاحب تو ایک شاندار قسم کے متدین و متشرع شخصیت کے حامل ہیں، انہیں دیکھ کر دل خوش ہوا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایم آئی ایس پبلشرز نے ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم بہ قدم'' جو شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے انشاء اللہ اس کتاب کے پڑھنے سے بھی تمام قارئین اور قاریات کو خوشی ہوگی اور دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت بھی پیدا ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مصنف، ناشر اور جملہ معاونین کے لیے ذخیرۂ آخرت فرمائے اور عام قارئیں کے لیے نہایت نافع فرمائے۔ آمین۔

والسلام

خیر اندیش: شفیق احمد بستوی عفی عنہ

شیخ الحدیث جامعہ خدیجۃ الکبریٰ محمد علی سوسائٹی کراچی

پیشِ لفظ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم بقدم سے پہلے جب بچوں کا اسلام میں، میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر مضامین کا سلسلہ شروع کیا تو ان مضامین کو زبردست پذیرائی ملی۔ اندازہ نہیں تھا کہ یہ مضامین اس حد تک پسند کیے جائیں گے۔ پھر ان مضامین کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کرنے کا پروگرام ترتیب دیا گیا، پہلے ''روشن ستارے'' کے نام سے چار مختصر کتابچے شائع کیے گئے اور پھر ایم آئی ایس پبلشرز کی جانب سے ان چاروں حصوں کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ یہ اشاعتیں اتنی مقبول ہوئیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے تمام اسٹاک ختم ہوگیا۔ اس قدر مقبولیت نے مجھے ہی نہیں ادارے کو بھی حیرت میں ڈال دیا۔ ''روشن ستارے کی مقبولیت دیکھ کر میں نے سیرت النبی ﷺ پر لکھنے کے بارے میں سوچا۔ نام رکھنے لگا تو ذہن میں پہلا نام یہی آیا ''سیرت النبی (ﷺ) قدم بقدم''۔

کسی کے گمان بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس سلسلے کو بے مثال کامیابی حاصل ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ نہ تو صحابہ کرامؓ کے سلسلے میں میرا کمال تھا اور نہ اس سلسلے میں، یہ سلسلے جو اس قدر مقبول ہوئے تو یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی برکات سے ہوئے ہیں۔

اس قدر زبردست مقبولیت ملی کہ بار بار پوچھا گیا، یہ سلسلہ کتابی شکل میں کب شائع ہوگا؟ آپ اسے کتابی شکل میں کیوں شائع نہیں کرتے؟

آخر قارئین کی آواز ادارہ ایم آئی ایس کے کانوں تک پہنچ گئی اور انہوں نے اسے کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس سلسلے میں مجھ سے بات کی گئی، ان سے بھی پہلے ایک اور ادارہ اس کی اشاعت کے سلسلے میں دلچسپی ظاہر کر چکا تھا، لیکن میں نے ایم آئی ایس کو ترجیح دی۔

اس بارے میں مشورہ ہوا کہ کتاب اگر ایک جلد میں شائع کی گئی تو بہت ضخیم اور زیادہ قیمت کی ہوگی، لہذا کیوں نہ اس کو دو جلدوں میں شائع کیا جائے، پہلی ایک جلد مکی دور پر مشتمل ہو اور دوسری جلد مدنی دور پر۔ اس طرح بحمد اللہ مکی دور کی اقساط یکجا آپ کے ہاتھوں میں آج اس کتاب کی صورت میں موجود ہیں۔ انشاء اللہ بہت جلد مدنی دور کی قسطیں بھی یکجا کتابی صورت میں آپ تک پہنچ جائیں گی۔

بچوں کا اسلام میں بھی اب یہ سلسلہ مکمل ہونے کو ہے۔ گویا ادھر ''سیرت النبی (ﷺ) قدم بقدم'' بچوں کا اسلام میں مکمل ہوگی، اُدھر کتابی صورت میں بھی شائع ہو جائے گی، انشاء اللہ۔

امید ہے کہ یہ باتیں آپ کے لیے اطمینان اور خوشی کا باعث بنیں گی۔

فقط والسلام

عبداللہ فارانی

زم زم کی کھدائی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے 12 بیٹے تھے۔ان کی نسل اس قدر ہوئی کہ مکہ مکرمہ میں نہ سما سکی اور پورے حجاز میں پھیل گئی۔ان کے ایک بیٹے قیدار کی اولاد میں ایک شخص عدنان ہوئے۔عدنان کے بیٹے معد اور پوتے کا نام نزار تھا۔نزار کے چار بیٹے تھے،ان میں سے ایک کا نام مضر تھا۔مضر کی نسل سے قریش بن مالک پیدا ہوئے ، یہ فہر بن مالک بھی کہلائے۔قریش کی اولاد بہت ہوئی۔ان کی اولاد مختلف قبیلوں میں بٹ گئی۔ان کی اولاد میں سے قُصیٰ نے اقتدار حاصل کیا۔قُصیٰ کے آگے تین بیٹے ہوئے۔ان میں سے ایک عبد مناف تھے،جن کی اگلی نسل میں ہاشم پیدا ہوئے۔

ہاشم نے مدینہ کے ایک سردار کی لڑکی سے شادی کی۔ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام شیبہ رکھا گیا۔یہ پیدا ہی ہوا تھا کہ ہاشم کا انتقال ہوگیا۔ان کے بھائی مطّلب مکّہ کے حاکم ہوئے۔ہاشم کا بیٹا شیبہ مدینہ منورہ میں پرورش پاتا رہا۔جب مطّلب کو معلوم ہوا کہ وہ جوان ہوگیا ہے تو بھتیجے کو لینے کے لیے خود مدینہ گئے۔اسے لے کر مکہ مکرمہ پہنچے تو لوگوں نے خیال کیا، یہ نوجوان ان کا غلام ہے۔مُطّلب نے لوگوں کو بتایا ''یہ ہاشم کا بیٹا اور میرا بھتیجا ہے۔'' اس کے باوجود لوگوں نے اسے مطّلب کا غلام ہی کہنا شروع کردیا۔اس طرح شیبہ کو عبدالمطلب کہا جانے لگا۔انہی عبدالمطلب کے ہاں ابو طالب،حمزہ،عباس، عبداللہ، ابولہب، حارث، زبیر،ضرار اور عبدالرحمٰن پیدا ہوئے، ان کے بیٹے عبداللہ سے

ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

عبدالمطلب کے تمام بیٹوں میں سے حضرت عبداللہ سب سے زیادہ خوب صورت اور سب سے زیادہ پاک دامن تھے۔ عبدالمطلب کو خواب میں زمزم کا کنواں کھودنے کا حکم دیا گیا، یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے کنوئیں کو، اس کنوئیں کو قبیلہ جُرہم کے سردار مضاض نے پاٹ دیا تھا۔ قبیلہ جُرہم کے لوگ اس زمانے میں مکّہ کے سردار تھے، بیت اللہ کے نگران تھے، انہوں نے بیت اللہ کی بے حرمتی شروع کردی۔ ان کا سردار مضاض بن عمرو تھا، وہ اچھا آدمی تھا۔ اس نے اپنے قبیلے کو سمجھایا کہ بیت اللہ کی بے حرمتی نہ کرو مگر ان پر اثر نہ ہوا۔ جب مضاض نے دیکھا کہ ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو قوم کو اس کے حال پر چھوڑ کر وہاں سے جانے کا فیصلہ کیا، اس نے تمام مال و دولت، تلواریں اور زرہیں وغیرہ خانہ کعبہ سے نکال کر زمزم کے کنوئیں میں ڈال دیں اور مٹی سے اس کو پاٹ دیا۔ کنواں اس سے پہلے ہی خشک ہو چکا تھا۔

اب اس کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ مدتوں یہ کنواں بند پڑا رہا۔ اس کے بعد بنوخزاعہ نے بنو جُرہم کو وہاں سے مار بھگایا، بنوخزاعہ اور قُصی کی سرداری کا زمانہ اسی حالت میں گزرا۔ کنواں بند رہا، یہاں تک کہ قُصی کے بعد عبدالمطلب کا زمانہ آ گیا۔ انہوں نے خواب دیکھا، خواب میں انہیں زمزم کے کنوئیں کی جگہ دکھائی گئی اور اس کو کھودنے کا حکم دیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبدالمطلب نے بتایا:

"میں حجر اسود کے مقام پر سو رہا تھا کہ میرے پاس ایک آنے والا آیا۔ اس نے مجھ سے کہا: "طیبہ کو کھودو۔"

میں نے اس سے پوچھا: "طیبہ کیا ہے؟"

مگر وہ کچھ بتائے بغیر چلا گیا۔ دوسری طرف رات پھر خواب میں وہی شخص آیا۔ کہنے لگا: "برّہ کو کھودو۔"

میں نے پوچھا: ''برّہ کیا ہے؟'' وہ کچھ بتائے بغیر چلا گیا۔

تیسری رات میں اپنے بستر پر سو رہا تھا کہ پھر وہ شخص خواب میں آیا۔ اس نے کہا: ''مضنونہ کو کھودو۔''

میں نے پوچھا: ''مضنونہ کیا ہے؟'' وہ بتائے بغیر چلا گیا۔

اس سے اگلی رات میں پھر بستر پر سو رہا تھا کہ وہی شخص پھر آیا اور بولا: ''زمزم کو کھودو۔''

میں نے اس سے پوچھا: ''زمزم کیا ہے۔'' اس بار اس نے کہا:

''زمزم وہ ہے جس کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا، جو حاجیوں کے بڑے بڑے مجمعوں کو سیراب کرتا ہے۔''

عبدالمطلب کہتے ہیں، میں نے اس سے پوچھا:

''یہ کنواں کس جگہ ہے؟''

اس نے بتایا۔

''جہاں گندگی اور خون پڑا ہے اور کوا ٹھونگیں مار رہا ہے۔''

دوسرے دن عبدالمطلب اپنے بیٹے حارث کے ساتھ وہاں گئے۔ اس وقت ان کے ہاں یہی ایک لڑکا تھا۔ انہوں نے دیکھا، وہاں گندگی اور خون پڑا تھا اور ایک کوا ٹھونگیں مار رہا تھا، اس جگہ کے دونوں طرف بت موجود تھے اور یہ گندگی اور خون دراصل ان بتوں پر قربان کیے جانے والے جانوروں کا تھا، پوری نشانی مل گئی تو عبدالمطلب کدال لے آئے اور کھدائی کے لیے تیار ہو گئے، لیکن اسی وقت قریش وہاں آ پہنچے۔ انہوں نے کہا:

''اللہ کی قسم! ہم تمہیں یہاں کھدائی نہیں کرنے دیں گے، تم ہمارے ان دونوں بتوں کے درمیان کنواں کھودنا چاہتے ہو جہاں ہم ان کے لیے قربانیاں کرتے ہیں۔''

عبدالمطلب نے ان کی بات سن کر اپنے بیٹے حارث سے کہا:

''تم ان لوگوں کو میرے قریب نہ آنے دو، میں کھدائی کا کام کرتا رہوں گا، اس لیے کہ مجھے جس کام کا حکم دیا گیا ہے، میں اس کو ضرور پورا کروں گا۔''

قریش نے جب دیکھا کہ وہ باز آنے والے نہیں تو رک گئے۔ آخر انہوں نے کھدائی شروع کر دی۔ جلد ہی کنوئیں کے آثار نظر آنے لگے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور پکار اٹھے:

''یہ دیکھو! یہ اسماعیل علیہ السلام کی تعمیر ہے۔''

جب قریش نے دیکھا کہ انہوں نے تو کنواں تلاش کر لیا، تو ان کے پاس آ گئے اور کہنے لگے:

''عبدالمطلب! اللہ کی قسم، یہ ہمارے باپ اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے اور اس پر ہمارا بھی حق ہے، اس لیے ہم اس میں تمہارے شریک ہوں گے۔''

یہ سن کر عبدالمطلب نے کہا:

''میں تمہیں اس میں شریک نہیں کر سکتا، یہ مجھ اکیلے کا کام ہے۔''

اس پر قریش نے کہا:

''تب پھر اس معاملے میں ہم تم سے جھگڑا کریں گے۔''

عبدالمطلب بولے:

''کسی سے فیصلہ کرا لو۔''

انہوں نے بنو سعد ابن ہزیم کی کاہنہ سے فیصلہ کرانا منظور کیا۔ یہ کاہنہ ملک شام کے بالائی علاقے میں رہتی تھی۔ آخر عبدالمطلب اور دوسرے قریش اس کی طرف روانہ ہوئے۔ عبدالمطلب کے ساتھ عبد مناف کے لوگوں کی ایک جماعت تھی۔

جبکہ دیگر قبائلِ قریش کی بھی ایک ایک جماعت ساتھ تھی۔ اس زمانے میں ملک حجاز اور شام کے درمیان ایک بیابان میدان تھا، وہاں کہیں پانی نہیں تھا۔ اس میدان میں ان کا پانی ختم ہو گیا۔ سب لوگ پیاس سے بے حال ہو گئے۔ یہاں تک کہ انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ انہوں نے قریش کے دوسرے لوگوں سے پانی مانگا، لیکن انہوں نے پانی دینے سے انکار کر دیا۔ اب انہوں نے ادھر ادھر پانی تلاش کرنے کا ارادہ کیا۔

عبدالمطلب اٹھ کر اپنی سواری کے پاس آئے، جوں ہی ان کی سواری اٹھی، اس کے

پاؤں کے نیچے سے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ انہوں نے پانی کو دیکھ کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ پھر عبدالمطلب سواری سے اتر آئے۔ سب نے خوب سیر ہوکر پانی پیا اور اپنے مشکیزے بھر لیے۔ اب انہوں نے قریش کی دوسری جماعت سے کہا: ''آؤ تم بھی سیر ہوکر پانی پی لو۔'' اب وہ بھی آگے آئے اور خوب پانی پیا۔ پانی پینے کے بعد وہ بولے:

''اللہ کی قسم... اے عبدالمطلب! یہ تو تمہارے حق میں فیصلہ ہوگیا۔ اب ہم زم زم کے بارے میں تم سے کبھی جھگڑا نہیں کریں گے۔ جس ذات نے تمہیں اس بیابان میں سیراب کر دیا، وہی تمہیں زمزم سے بھی سیراب کرے گا، اس لیے یہیں سے واپس چلو۔''

اس طرح قریش نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ عبدالمطلب پر مہربان ہے، لہٰذا ان سے جھگڑنا بے سود ہے اور کاہنہ کے پاس جانے کا کوئی فائدہ نہیں، چنانچہ سب لوگ واپس لوٹے۔

واپس آ کر عبدالمطلب نے پھر کنوئیں کی کھدائی شروع کی۔ ابھی تھوڑی سی کھدائی کی ہوگی کہ مال، دولت، تلواریں اور زرہیں نکل آئیں۔ اس میں سونا اور چاندی وغیرہ بھی تھی۔ یہ مال و دولت دیکھ کر قریش کے لوگوں کو لالچ نے آ گھیرا۔ انہوں نے عبدالمطلب سے کہا:

''عبدالمطلب! اس میں ہمارا بھی حصہ ہے۔''

ان کی بات سن کر عبدالمطلب نے کہا:

''نہیں! اس میں تمہارا حصہ نہیں ہے، تمہیں انصاف کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ آؤ پانسے کے تیروں سے قرعہ ڈال لیں۔''

انہوں نے ایسا کرنا منظور کرلیا۔ دو تیر کعبے کے نام کے رکھے گئے، دو عبدالمطلب کے اور دو قریش کے باقی لوگوں کے نام کے... پانسہ پھینکا گیا تو مال اور دولت کعبے کے نام نکلا، تلواریں اور زرہیں عبدالمطلب کے نام اور قریشیوں کے نام پر جو تیر تھے، وہ کسی چیز پر نہ نکلے۔ اس طرح فیصلہ ہوگیا۔ عبدالمطلب نے کعبے کے دروازے کو سونے سے سجا دیا۔

زمزم کی کھدائی سے پہلے عبدالمطلب نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! اس کی کھدائی کو مجھ پر

آسان کردے، میں اپنا ایک بیٹا تیرے راستے میں ذبح کروں گا۔اب جب کہ کنواں نکل آیا تو انہیں خواب میں حکم دیا گیا۔

''اپنی منت پوری کرو، یعنی ایک بیٹے کو ذبح کرو۔''

☆☆☆

سو اونٹوں کی قربانی

عبدالمطلب کو یہ حکم اس وقت دیا گیا جب وہ اپنی منّت بھول چکے تھے۔ پہلے خواب میں ان سے کہا گیا ”منّت پوری کرو“ انہوں نے ایک مینڈھا ذبح کر کے غریبوں کو کھلا دیا، پھر خواب آیا، ”اس سے بڑی چیز پیش کرو“ اس مرتبہ انہوں نے ایک بیل ذبح کر دیا۔ خواب میں پھر یہی کہا گیا کہ اس سے بھی بڑی چیز پیش کرو۔ اب انہوں نے اونٹ ذبح کیا۔ پھر خواب آیا کہ اس سے بھی بڑی چیز پیش کرو۔ انہوں نے پوچھا: ”اس سے بڑی چیز کیا ہے؟“ تب کہا گیا:

”اپنے بیٹوں میں سے کسی کو ذبح کرو، جیسا کہ تم نے منّت مانی تھی۔“

اب انہیں اپنی منّت یاد آئی۔ اپنے بیٹوں کو جمع کیا۔ ان سے منّت کا ذکر کیا۔ سب کے سر جھک گئے، کون خود کو ذبح کرواتا، آخر عبداللہ بولے:

”ابا جان! آپ مجھے ذبح کر دیں۔“

یہ سب سے چھوٹے تھے۔ سب سے خوب صورت تھے۔ سب سے زیادہ محبت بھی عبدالمطلب کو انہی سے تھی، لہٰذا انہوں نے قرعہ اندازی کرنے کا ارادہ کیا۔ تمام بیٹوں کے نام لکھ کر قرعہ ڈالا گیا۔ عبداللہ کا نام نکلا۔ اب انہوں نے چھری لی، عبداللہ کو بازو سے پکڑا اور انہیں ذبح کرنے کے لیے نیچے لٹا دیا۔

جونہی باپ نے بیٹے کو لٹایا، عباس سے ضبط نہ ہو سکا، فوراً آگے بڑھے اور بھائی کو کھینچ لیا، اس وقت یہ خود بھی چھوٹے سے تھے۔ ادھر باپ نے عبداللہ کو کھینچا، اس کھینچا تانی میں عبداللہ کے چہرے پر خراشیں بھی آئیں، ان خراشوں کے نشانات مرتے دم تک ان کے چہرے پر باقی رہے۔

اسی دوران بنو مخزوم کے لوگ آ گئے۔ انہوں نے کہا:

''آپ اس طرح بیٹے کو ذبح نہ کریں، اس کی ماں کی زندگی خراب ہو جائے گی، اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے بیٹے کا فدیہ دے دیں۔''

اب سوال یہ تھا کہ فدیہ کیا دیا جائے، اس کی ترکیب یہ بتائی گئی کہ ایک کاغذ پر دس اونٹ لکھے جائیں، دوسرے پر عبداللہ کا نام لکھا جائے۔ اگر دس اونٹ والی پرچی نکلے تو دس اونٹ قربان کر دیے جائیں۔ اگر عبداللہ والی پرچی نکلے تو دس اونٹ کا اضافہ کر دیا جائے۔ پھر بیس اونٹ والی پرچی اور عبداللہ والی پرچی ڈالی جائے۔ اب اگر 20 اونٹ والی پرچی نکلے تو بیس اونٹ قربان کر دیے جائیں ورنہ 10 اونٹ اور بڑھا دیے جائیں، اس طرح دس دس کر کے اونٹ بڑھاتے جائیں۔

عبدالمطلب نے ایسا ہی کیا، دس دس اونٹ بڑھاتے چلے گئے، ہر بار عبداللہ کا نام نکلتا چلا گیا، یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی۔ تب کہیں جا کر اونٹوں والی پرچی نکلی۔ اس طرح ان کی جان کے بدلے میں سو اونٹ قربان کیے گئے۔ عبدالمطلب کو اب پورا اطمینان ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے عبداللہ کے بدلے سو اونٹوں کی قربانی منظور کر لی ہے۔ انہوں نے کعبے کے پاس سو اونٹ قربان کیے اور کسی کو کھانے سے نہ روکا... سب انسانوں، جانوروں اور پرندوں نے ان کو کھایا۔

امام زہری کہتے ہیں، عبدالمطلب پہلے آدمی ہیں جنہوں نے آدمی کی جان کی قیمت سو اونٹ دینے کا طریقہ شروع کیا۔ اس سے پہلے دس اونٹ دیے جاتے تھے۔ اس کے بعد یہ طریقہ سارے عرب میں جاری ہو گیا۔ گویا قانون بن گیا کہ آدمی کا فدیہ سو اونٹ ہے۔ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب یہ ذکر آیا تو آپ نے اس فدیے کی تصدیق فرمائی، یعنی فرمایا کہ یہ درست ہے۔

اور اسی بنیاد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''میں دو ذبیحوں یعنی حضرت اسماعیل (علیہ السلام) اور عبداللہ کی اولاد ہوں۔''

حضرت عبداللہ قریش میں سب سے زیادہ حسین تھے۔ ان کا چہرہ روشن ستارے کی مانند تھا۔ قریش کی بہت سی لڑکیاں ان سے شادی کرنا چاہتی تھیں، مگر حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ سے شادی ہوئی۔

حضرت آمنہ، وہب بن عبد مناف بن زہرہ کی بیٹی تھیں۔ شادی کے وقت حضرت عبداللہ کی عمر 18 سال تھی۔

یہ شادی کے لیے اپنے والد کے ساتھ جا رہے تھے، راستے میں ایک عورت کعبہ کے پاس بیٹھی نظر آئی۔ یہ عورت ورقہ بن نوفل کی بہن تھی۔ ورقہ بن نوفل قریش کے ایک بڑے عالم تھے۔ ورقہ بن نوفل سے ان کی بہن نے سن رکھا تھا کہ وقت کے آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے اور ان کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہوگی کہ ان کے والد کے چہرے میں نبوت کا نور چمکتا ہوگا۔ جونہی اس نے عبداللہ کو دیکھا، فوراً یہ بات اس کے ذہن میں آئی، اس نے سوچا، ہونہ ہو، یہی وہ شخص ہیں جو پیدا ہونے والے نبی کے باپ ہوں گے۔ چنانچہ اس نے کہا:

''اگر تم مجھ سے شادی کرلو تو میں بدلے میں تمہیں اتنے ہی اونٹ دوں گی جتنے تمہاری جان کے بدلے میں ذبح کیے گئے تھے۔''

اس پر انہوں نے جواب دیا:

''میں اپنے باپ کے ساتھ ہوں۔ ان کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا، نہ ان سے الگ ہوسکتا ہوں اور میرے والد باعزت آدمی ہیں، اپنی قوم کے سردار ہیں۔''

بہر حال ان کی شادی حضرت آمنہ سے ہوگئی۔ آپ قریش کی عورتوں میں نسب اور

مقام کے اعتبار سے افضل تھیں۔

حضرت آمنہ، حضرت عبداللہ کے گھر آ گئیں۔ آپ فرماتی ہیں:

''جب میں ماں بننے والی ہوئی تو میرے پاس ایک شخص آیا، یعنی ایک فرشتہ انسانی شکل میں آیا۔ اس وقت میں جاگنے اور سونے کی درمیانی حالت میں تھی (عام طور پر اس حالت کو غنودگی کہا جاتا ہے)۔ اس نے مجھ سے کہا:

''کیا تمہیں معلوم ہے، تم اس امت کے سردار اور نبی کی ماں بننے والی ہو۔''

اس کے بعد وہ پھر اس وقت آیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہونے والے تھے۔ اس مرتبہ اس نے کہا:

''جب تمہارے ہاں پیدائش ہو تو کہنا:

'میں اس بچے کے لیے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں، ہر حسد کرنے والے کے شر اور برائی سے۔ پھر تم اس بچے کا نام محمد رکھنا، کیونکہ ان کا نام تورات میں احمد ہے اور زمین اور آسمان والے ان کی تعریف کرتے ہیں، جب کہ قرآن میں ان کا نام محمد ہے، اور قرآن ان کی کتاب ہے۔'' (البدایہ والنہایہ)

ایک روایت کے مطابق فرشتے نے ان سے یہ کہا:

''تم وقت کے سردار کی ماں بننے والی ہو، اس بچے کی نشانی یہ ہوگی کہ اس کے ساتھ ایک نور ظاہر ہوگا، جس سے ملک شام اور بصریٰ کے محلات بھر جائیں گے۔ جب وہ بچہ پیدا ہو جائے گا تو اس کا نام محمد رکھنا، کیونکہ تورات میں ان کا نام احمد ہے کہ آسمان اور زمین والے ان کی تعریف کرتے ہیں، اور انجیل میں ان کا نام احمد ہے کہ آسمان اور زمین والے ان کی تعریف کرتے ہیں اور قرآن میں ان کا نام محمد ہے۔'' (البدایہ والنہایہ)

حضرت عبداللہ کے چہرے میں جو نور چمکتا تھا، شادی کے بعد وہ حضرت آمنہ کے چہرے میں آ گیا تھا۔

امام زہری فرماتے ہیں، حاکم نے یہ روایت بیان کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ

صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہمیں اپنے بارے میں کچھ بتائیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، اپنے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور خوش خبری ہوں، جب میں اپنی والدہ کے شکم میں آیا تو انہوں نے دیکھا، گویا ان سے ایک نور ظاہر ہوا ہے جس سے ملک شام میں بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے۔''

حضرت آمنہ نے حضرت حلیمہ سعدیہ سے فرمایا تھا:

''میرے اس بچے کی شان نرالی ہے، یہ میرے پیٹ میں تھے تو مجھے کوئی بوجھ اور تھکن محسوس نہیں ہوئی۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ آخری پیغمبر ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوش خبری سنائی ہے۔ اس بشارت کا ذکر قرآن میں بھی ہے، سورہ صف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور اسی طرح وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا کہ: اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو تورات آ چکی ہے، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں، ان کا نامِ مبارک احمد ہوگا، میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔''

اب چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ بشارت سنا چکے تھے، اس لیے ہر دور کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے، ادھر آپ کی پیدائش سے پہلے ہی حضرت عبداللہ انتقال کر گئے۔ سابقہ کتب میں آپ کی نبوت کی ایک علامت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ آپ کے والد کا انتقال آپ کی ولادت سے پہلے ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ تجارت کے لیے گئے تھے، اس دوران بیمار ہو گئے اور کمزور ہو کر واپس لوٹے۔ قافلہ مدینہ منورہ سے گزرا تو حضرت عبداللہ اپنی ننھیال یعنی بنو

نجار کے ہاں ٹھہرے۔ ان کی والدہ بنونجار سے تھیں، حضرت عبداللہ اس جگہ ایک ماہ تک بیمار رہے اور انتقال کر گئے۔ انہیں یہیں دفن کر دیا گیا۔

تجارتی قافلہ جب حضرت عبداللہ کے بغیر مکہ مکرمہ پہنچا اور عبدالمطلب کو پتا چلا کہ ان کے بیٹے عبداللہ بیمار ہو گئے ہیں اور مدینہ منورہ میں اپنی ننھیال میں ہیں تو انہیں لانے کے لیے عبدالمطلب نے اپنے بیٹے زبیر کو بھیجا۔ جب یہ وہاں پہنچے تو عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ مطلب یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں اپنے والد کی وفات کے چند ماہ بعد تشریف لائے۔

☆☆☆

ماہِ نبوت طلوع ہوا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ :حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ کی آنول نال کٹی ہوئی تھی۔ (آنول نال کو بچے کے پیدا ہونے کے بعد دایہ کاٹتی ہے)

آپ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔عبدالمطلب یہ دیکھ کر بے حد حیران ہوئے اور خوش بھی۔وہ کہا کرتے تھے،میرا یہ بیٹا نرالی شان کا ہوگا۔ (البدایہ)

آپ کی پیدائش سے پہلے مکّہ کے لوگ خشک سالی اور قحط کا شکار تھے،لیکن جونہی آپ کے دنیا میں تشریف لانے کا وقت قریب آیا، بارشیں شروع ہوگئیں،خشک سالی دور ہوگئی۔ درخت ہرے بھرے ہوگئے اور پھلوں سے لد گئے۔زمین پہ سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگا۔

پیدائش کے وقت آپ اپنے ہاتھوں پر جھکے ہوئے تھے۔سر آسمان کی طرف تھا۔ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے۔مطلب یہ کہ سجدے کی سی حالت میں تھے۔(طبقات)

آپ کی مٹھی بند تھی اور شہادت کی انگلی اٹھی ہوئی تھی۔جیسا کہ ہم نماز میں اٹھاتے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”جب میری والدہ نے مجھے جنم دیا تو ان سے ایک نور نکلا۔اس نور سے شام کے محلات

جگمگا اٹھے۔''   (طبقات)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش کے وقت ظاہر ہونے والے نور کی روشنی میں مجھے بصرٰی میں چلنے والے اونٹوں کی گردنیں تک نظر آئیں۔''

علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ نے اللہ کی تعریف کی۔ ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْراً وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْراً وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلاً.

''اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے، اللہ تعالیٰ کی بے حد تعریف ہے اور میں صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔''

آپ کی ولادت کس دن ہوئی؟ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ پیر کا دن تھا۔ آپ صبح فجر طلوع ہونے کے وقت دنیا میں تشریف لائے۔

تاریخِ پیدائش کے سلسلے میں بہت سے قول ہیں۔ ایک روایت کے مطابق 12 ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ ایک روایت 8 ربیع الاول کی ہے، ایک روایت یہ ہے کہ 2 ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ اس سلسلے میں اور بھی بہت سی روایات ہیں۔ زیادہ تر مورخین کا خیال ہے کہ آپ 8 ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ تقویم کے طریقہ سے جب تاریخ نکالی گئی تو 9 ربیع الاول نکلی۔ مطلب یہ کہ اس بارے میں بالکل صحیح بات کسی کو معلوم نہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مہینہ ربیع الاول کا تھا اور دن پیر کا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کو پیر کے دن ہی نبوت ملی۔ پیر کے روز ہی آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور پیر کے روز ہی آپ کی وفات ہوئی۔

آپ عام الفیل میں پیدا ہوئے، یعنی ہاتھیوں والے سال میں۔ اس سال کو ہاتھیوں والا سال اس لیے کہا جاتا ہے کہ ابرہہ نے ہاتھیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تھی۔

آپ کی پیدائش اس واقعے کے کچھ ہی دن بعد ہوئی تھی۔

واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ

ابرہہ یمن کا عیسائی حاکم تھا۔ حج کے دنوں میں اس نے دیکھا کہ لوگ بیت اللہ کا حج کرنے جاتے ہیں۔ اس نے اپنے لوگوں سے پوچھا:

''یہ لوگ کہاں جاتے ہیں؟''

اسے جواب ملا:

''بیت اللہ کا حج کرنے کے لیے مکہ جاتے ہیں۔''

اس نے پوچھا:

''بیت اللہ کس چیز کا بنا ہوا ہے۔''

اسے بتایا گیا:

''پتھروں کا بنا ہوا ہے۔''

اس نے پوچھا:

''اس کا لباس کیا ہے؟''

بتایا گیا:

''ہمارے ہاں سے جو دھاری دار کپڑا جاتا ہے، اس سے اس کی پوشاک تیار ہوتی ہے۔''

ابرہہ عیسائی تھا۔ ساری بات سن کر اس نے کہا:

''مسیح کی قسم! میں تم لوگوں کے لیے اس سے اچھا گھر تعمیر کروں گا۔''

اس طرح اس نے سرخ، سفید، زرد اور سیاہ پتھروں سے ایک گھر بنوایا۔ سونے اور چاندی سے اس کو سجایا۔ اس میں کئی دروازے رکھوائے، ان میں سونے کے پترے جڑوائے۔ ان کے درمیان میں جواہر لگوائے۔ اس مکان میں ایک بڑا سا یاقوت لگوایا۔ پردے لگوائے، وہاں خوشبوئیں سلگانے کا انتظام کیا۔ اس کی دیواروں پر اس قدر مشک ملا جاتا تھا کہ وہ سیاہ رنگ کی ہوگئیں، یہاں تک کہ جواہر بھی نظر نہیں آتے تھے۔

پھر لوگوں سے کہا کہ

''اب تمہیں بیت اللہ کا حج کرنے کے لیے مکہ جانے کی ضرورت نہیں رہی، میں نے یہیں تمہارے لیے بیت اللہ بنوا دیا ہے، لہٰذا اب تم اس کا طواف کیا کرو۔''

اس طرح کچھ قبائل کئی سال تک اس کا حج کرتے رہے۔ اس میں اعتکاف کرتے رہے۔ حج والے مناسک بھی یہیں ادا کرتے رہے۔

عرب کے ایک شخص نفیل خشمی سے یہ بات برداشت نہ ہوسکی۔ وہ اس مصنوعی خانہ کعبہ کے خلاف دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ آخر اس نے دل میں ٹھان لی کہ وہ ابرہہ کی اس عمارت کو گندہ کر کے چھوڑے گا۔ پھر ایک رات اس نے چوری چھپے بہت سی گندگی اس کے اندر ڈال دی۔ ابرہہ کو معلوم ہوا تو سخت غضب ناک ہوا۔ کہنے لگا:

''یہ کارروائی کسی عرب نے اپنے کعبہ کے لیے کی ہے، میں اس کو ڈھا دوں گا، اس کا ایک ایک پتھر توڑ دوں گا۔''

اس نے شاہِ حبشہ کو یہ تفصیلات لکھ دیں، اس سے درخواست کی کہ وہ اپنا ہاتھی بھیج دے۔ اس ہاتھی کا نام محمود تھا، یہ اس قدر بڑا تھا کہ اتنا بڑا ہاتھی روئے زمین پر دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ جب ہاتھی اس کے پاس پہنچ گیا تو وہ اپنی فوج لے کر نکلا اور مکہ کا رخ کیا۔ یہ لشکر جب مکّہ کے قرب و جوار میں پہنچا تو ابرہہ نے فوجوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے جانور لوٹ لیے جائیں۔ اس کے حکم پر فوجیوں نے جانور پکڑ لیے۔ ان میں عبدالمطلب کے اونٹ بھی تھے۔

نفیل بھی ابرہہ کے ساتھ اس کے لشکر میں موجود تھا اور یہ عبدالمطلب کا دوست تھا۔ عبدالمطلب اس سے ملے۔ اونٹوں کے سلسلے میں بات کی۔ نفیل نے ابرہہ سے کہا:

''قریش کا سردار عبدالمطلب ملنا چاہتا ہے، یہ شخص تمام عرب کا سردار ہے، شرف اور بزرگی اسے حاصل ہے۔ لوگوں میں اس کا بہت اثر ہے۔ لوگوں کو اچھے اچھے گھوڑے دیتا ہے، انہیں عطیات دیتا ہے، کھانا کھلاتا ہے۔''

یہ گویا عبدالمطلب کا تعارف تھا۔ ابرہہ نے انہیں ملاقات کے لیے بلا لیا۔ ابرہہ نے ان سے پوچھا:

''بتائیے! آپ کیا چاہتے ہیں؟۔''

انہوں نے جواب دیا:

''میں چاہتا ہوں، میرے اونٹ مجھے واپس مل جائیں۔''

ان کی بات سن کر ابرہہ بہت حیران ہوا۔ اس نے کہا:

''مجھے تو بتایا گیا تھا، آپ عرب کے سردار ہیں، بہت عزت اور بزرگی کے مالک ہیں، لیکن لگتا ہے مجھ سے غلط بیانی کی گئی ہے کیونکہ میرا خیال تھا آپ مجھ سے بیت اللہ کے بارے میں بات کریں گے، جس کو میں گرانے آیا ہوں اور جس کے ساتھ آپ سب کی عزت وابستہ ہے، لیکن آپ نے اس کی تو سرے سے بات ہی نہیں کی، اور اپنے اونٹوں کا رونا لے کر بیٹھ گئے۔ یہ کیا بات ہوئی؟''

اس کی بات سن کر عبدالمطلب بولے:

''آپ مجھے میرے اونٹ واپس دے دیں، بیت اللہ کے ساتھ جو چاہیں کریں، اس لیے کہ اس گھر کا ایک پروردگار ہے، وہ خود ہی اس کی حفاظت کرے گا، مجھے اس کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

ان کی بات سن کر ابرہہ نے حکم دیا:

''ان کے اونٹ واپس دے دیے جائیں۔''

جب انہیں ان کے اونٹ واپس مل گئے تو انہوں نے ان کے سموں پر چمڑے چڑھا دیے، ان پر نشان لگا دیے۔ انہیں قربانی کے لیے وقف کر کے حرم میں چھوڑ دیا تا کہ پھر کوئی انہیں پکڑ لے تو حرم کا پروردگار اس پر غضب ناک ہو۔

پھر عبدالمطلب حرا پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ان کے ساتھ ان کے کچھ دوست تھے۔ انہوں نے اللہ سے درخواست کی:

''اے اللہ! انسان اپنے سامان کی حفاظت کرتا ہے،تو اپنے سامان کی حفاظت کر۔''

ادھر سے ابرہہ اپنا لشکر لے کر آگے بڑھا۔ وہ خود ہاتھی پر سوار لشکر کے درمیان موجود تھا۔ ایسے میں اس کے ہاتھی نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا، وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ ہاتھی بانوں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی، لیکن وہ نہ اٹھا۔ انہوں نے اس کے سر پر ضربیں لگائیں۔ آنکس چبھوئے مگر وہ کھڑا نہ ہوا، کچھ سوچ کر انہوں نے اس کا رخ یمن کی طرف کیا تو وہ فوراً اس طرف چلنے لگا، اس کا رخ پھر مکّہ کی طرف کیا گیا تو پھر رک گیا۔ ہاتھی بانوں نے یہ تجربہ بار بار کیا۔ آخر ابرہہ نے حکم دیا، ہاتھی کو شراب پلائی جائے تاکہ نشے میں اسے کچھ ہوش نہ رہ جائے اور ہم اسے مکّہ کی طرف آگے بڑھا سکیں۔ چنانچہ اسے شراب پلائی گئی، لیکن اس پر اس کا بھی اثر نہ ہوا۔

☆☆☆

ابرہہ کا انجام

ابرہہ کے ہاتھی کو اٹھانے کی مسلسل کوشش جاری تھی کہ اچانک سمندر کی طرف سے ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کو بھیج دیا۔ وہ ٹڈیوں کے جھنڈ کی طرح آئیں۔

دوسری طرف عبدالمطلب مکہ میں داخل ہوئے۔ حرم میں پہنچے اور کعبہ کے دروازے کی زنجیر پکڑ کر ابرہہ اور اس کے لشکر کے خلاف فتح کی دعا مانگی۔ ان کی دعا کے الفاظ یہ تھے:

''اے اللہ! یہ بندہ اپنے قافلے اور اپنی جماعت کی حفاظت کر رہا ہے تو اپنے گھر یعنی بیت اللہ کی حفاظت فرما۔ ابرہہ کا لشکر فتح نہ حاصل کر سکے، ان کی طاقت تیری طاقت کے آگے کچھ بھی نہیں، آج صلیب کامیاب نہ ہو۔'' صلیب کا لفظ اس لیے بولا کہ ابرہہ عیسائی تھا اور صلیب کو عیسائی اپنے نشان کے طور پر ساتھ لے کر چلتے ہیں۔

اب انہوں نے اپنی قوم کو ساتھ لیا اور حرا پہاڑ پر چڑھ گئے، کیونکہ ان کا خیال تھا، وہ ابرہہ کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے جھنڈ بھیج دیے۔ یہ پرندے چڑیا سے قدرے بڑے تھے۔ ان میں سے ہر پرندے کی چونچ میں پتھر کے تین تین ٹکڑے تھے۔ یہ پتھر پرندوں نے ابرہہ کے لشکر پر گرانے شروع کیے۔ جونہی یہ پتھر ان پر گرے، ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، بالکل اسی طرح جیسے آج کسی جگہ اوپر سے بم گرایا جائے تو جسموں

کے ٹکڑے اڑ جاتے ہیں۔ ابرہہ کا ہاتھی محمود البتہ ان کنکریوں سے محفوظ رہا۔ باقی سب ہاتھی تہس نہس ہو گئے۔ یہ ہاتھی 13 عدد تھے، سب کے سب کھائے ہوئے بھوسے کی مانند ہو گئے۔ جیسا کہ سورۃ الفیل میں آتا ہے۔

ابرہہ اور اس کے کچھ ساتھی تباہی کا یہ منظر دیکھ کر بری طرح بھاگے، لیکن پرندوں نے ان کو بھی نہ چھوڑا۔ ابرہہ کے بارے میں طبقات میں لکھا ہے کہ اس کے جسم کا ایک ایک عضو الگ ہو کر گرتا چلا گیا۔ یعنی وہ بھاگ رہا تھا اور اس کے جسم کا ایک ایک حصہ الگ ہو کر گر رہا تھا۔

دوسری طرف عبدالمطلب اس انتظار میں تھے کہ کب حملہ ہوتا ہے، لیکن حملہ آور جب مکہ میں داخل نہ ہوئے تو وہ حالات معلوم کرنے کے لیے نیچے اترے۔ مکہ سے باہر نکلے، تب انہوں نے دیکھا، سارا لشکر تباہ ہو چکا ہے۔ خوب مال غنیمت ان کے ہاتھ لگا۔ بے شمار سامان ہاتھ آیا، مال میں سونا چاندی بھی بے تحاشا تھا۔

لشکر میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو واپس نہیں بھاگے تھے۔ یہ مکہ میں رہ گئے تھے ان میں ابرہہ کے ہاتھی کا مہاوت بھی تھا جو محمود کو آگے لانے میں ناکام رہا تھا۔

ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعے کے چند ماہ بعد پیدا ہوئے۔ آپ جس مکان میں پیدا ہوئے، وہ صفا پہاڑی کے قریب تھا۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش مکہ میں ہوگی، یہ کعب پہلے یہودی تھے، اس لیے تورات پڑھا کرتے تھے۔

دنیا میں آتے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ کہتی ہیں کہ جب حضرت آمنہ کے ہاں ولادت ہوئی تو میں وہاں موجود تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاتھوں میں آئے۔ یہ غالباً دایہ تھیں۔ ان کا نام شفا تھا۔ فرماتی ہیں، جب آپ میرے ہاتھوں میں آئے تو روئے۔

آپ کے دادا عبدالمطلب کو آپ کی ولادت کی اطلاع دی گئی۔ وہ اس وقت خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ اطلاع ملنے پر گھر آئے۔ بچے کو گود میں لیا۔ اس وقت آپ کی والدہ

نے ان سے کہا:

''یہ بچہ عجیب ہے، سجدے کی حالت میں پیدا ہوا ہے، یعنی پیدا ہوتے ہی اس نے پہلے سجدہ کیا، پھر سجدے سے سر اٹھا کر انگلی آسمان کی طرف اٹھائی۔''

عبدالمطلب نے آپ کو دیکھا۔ اس کے بعد آپ کو کعبہ میں لے آئے۔ آپ کو گود میں لیے رہے اور طواف کرتے رہے۔ پھر واپس لاکر حضرت آمنہ کو دیا۔ آپ کو عرب کے دستور کے مطابق ایک برتن سے ڈھانپا گیا، لیکن وہ برتن ٹوٹ کر آپ کے اوپر سے ہٹ گیا۔ اس وقت آپ اپنا انگوٹھا چوستے نظر آئے۔

اس موقع پر شیطان بری طرح چیخا۔ تفسیر ابن مخلد میں ہے کہ شیطان صرف چار مرتبہ چیخا۔ پہلی بار اس وقت جب اللہ تعالیٰ نے اسے ملعون ٹھہرایا، دوسری بار اس وقت جب اسے زمین پر اتار دیا گیا، تیسری بار اس وقت چیخا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش ہوئی اور چوتھی مرتبہ اس وقت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔

اس موقع پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''میں آٹھ سال کا تھا، جو کچھ دیکھتا اور سنتا تھا، اس کو سمجھتا تھا۔ ایک صبح میں نے یثرب یعنی مدینہ منورہ میں ایک یہودی کو دیکھا، وہ ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر چلا رہا تھا۔ لوگ اس یہودی کے گرد جمع ہو گئے اور بولے:

''کیا بات ہے، کیوں چیخ رہے ہو؟''

یہودی نے جواب دیا:

''احمد کا ستارہ طلوع ہو گیا ہے اور وہ آج رات پیدا ہو گئے ہیں۔''

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بعد میں 60 سال کی عمر میں مسلمان ہوئے تھے۔ 120 سال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی۔ گویا ایمان کی حالت میں 60 سال زندہ رہے۔ بہت اچھے شاعر تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے اشعار میں تعریف کیا

کرتے تھے اور دشمنوں کی برائی اشعار میں بیان کرتے تھے۔غزوات کے مواقع پر اشعار کے ذریعے مسلمانوں کو جوش دلاتے تھے۔اسی بنیاد پر انہیں شاعر رسول کا خطاب ملا تھا۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت کی خبر دے دی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو اس کی اطلاع دے دی تھی۔اس سلسلے میں انہوں نے فرمایا تھا:

''تمہارے نزدیک جو مشہور چمک دار ستارہ ہے، جب وہ حرکت میں آئے گا اور اپنی جگہ سے سرکنا شروع کرے گا،تو وہی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کا ہوگا۔''

یہ خبر بنی اسرائیل کے علماء ایک دوسرے کو دیتے چلے آئے تھے اور اس طرح بنی اسرائیل کو بھی آنحضرت کی ولادت کا وقت یعنی اس کی علامت معلوم تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم مکہ میں رہتا تھا، جب وہ رات آئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو وہ قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا،اس نے کہا:

''کیا تمہارے ہاں آج کوئی بچہ پیدا ہوا ہے۔''

لوگوں نے کہا:

''ہمیں تو معلوم نہیں۔''

اس پر اس یہودی نے کہا:

''میں جو کچھ کہتا ہوں، اسے اچھی طرح سن لو، آج اس امت کا آخری نبی پیدا ہوگیا ہے اور قریش کے لوگو! وہ تم میں سے ہے، یعنی وہ قریشی ہے۔اس کے کندھے کے پاس ایک علامت ہے (یعنی مہر نبوت) اس میں بہت زیادہ بال ہیں۔یعنی گھنے بال ہیں اور یہ نبوت کا نشان ہے۔نبوت کی دلیل ہے۔اس بچے کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ دو رات تک دودھ نہیں پیے گا۔ان باتوں کا ذکر اس کی نبوت کی علامات کے طور پر پرانی کتب میں موجود

ہے۔''

علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ بات درست ہے، آپ نے دو دن تک دودھ نہیں پیا تھا۔

یہودی عالم نے جب یہ باتیں بتائیں تو لوگ وہاں سے اٹھ گئے۔ انہیں یہودی کی باتیں سن کر بہت حیرت ہوئی تھی۔ جب وہ لوگ اپنے گھروں میں پہنچے تو ان میں سے ہر ایک نے اس کی باتیں اپنے گھر کے افراد کو بتائیں، عورتوں کو چونکہ حضرت آمنہ کے ہاں بیٹا پیدا ہونے کی خبر ہو چکی تھی، اس لیے انہوں نے اپنے مردوں کو بتایا:

''آج رات تو پھر عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔''

اب یہ بات یہودی عالم کو بتائی گئی، اس نے کہا:

''ذرا چل کر مجھے وہ بچہ دکھاؤ۔''

لوگ اسے ساتھ لیے حضرت آمنہ کے گھر کے باہر آئے، ان سے بچہ دکھانے کی درخواست کی... آپ نے بچے کو کپڑے سے نکال کر انہیں دے دیا۔ لوگوں نے آپ کے کندھے پر سے کپڑا ہٹایا۔ یہودی کی نظر جونہی مہر نبوت پر پڑی، وہ فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا، اسے ہوش آیا تو لوگوں نے اس سے پوچھا:

''تمہیں کیا ہو گیا تھا۔''

جواب میں اس نے کہا:

''میں اس غم سے بے ہوش ہوا تھا کہ میری قوم میں سے نبوت ختم ہو گئی... اور اے قریشیو! اللہ کی قسم! یہ بچہ تم پر زبردست غلبہ حاصل کرے گا اور اس کی شہرت مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی۔''

☆☆☆

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ستارہ چمکا

ملک شام کا ایک یہودی عیص مکہ سے کچھ فاصلے پر رہتا تھا۔ وہ جب بھی کسی کام سے مکہ آتا، وہاں کے لوگوں سے ملتا تو ان سے کہتا:

''بہت قریب کے زمانے میں تمہارے درمیان ایک بچہ پیدا ہوگا، سارا عرب اس کے راستے پر چلے گا، اس کے سامنے ذلیل اور پست ہو جائے گا۔ وہ عجم اور اس کے شہروں کا بھی مالک ہو جائے گا۔ یہی اس کا زمانہ ہے، جو اس کی نبوت کے زمانے کو پائے گا اور اس کی پیروی کرے گا، وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا، جس خیر اور بھلائی کی وہ امید کرتا ہے، وہ اس کو حاصل ہوگی اور جو شخص اس کی نبوت کا زمانہ پائے گا مگر اس کی مخالفت کرے گا، وہ اپنے مقصد اور آرزوؤں میں ناکام ہوگا۔''

مکہ معظمہ میں جو بھی بچہ پیدا ہوتا، وہ یہودی اس بچے کے بارے میں تحقیق کرتا اور کہتا، ابھی وہ بچہ پیدا نہیں ہوا۔ آخر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تو عبدالمطلب اپنے گھر سے نکل کر اس یہودی کے پاس پہنچے، اس کی عبادت گاہ کے دروازے پر پہنچ کر انہوں نے اسے آواز دی۔ عیص نے پوچھا:

''کون ہے؟''

انہوں نے اپنا نام بتایا۔ پھر اس سے پوچھا:

''تم اس بچے کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

اس نے انہیں دیکھا، پھر بولا:

''ہاں! تم ہی اس کے باپ ہو سکتے ہو، بے شک وہ بچہ پیدا ہو گیا ہے جس کے بارے میں، میں تم لوگوں سے کہا کرتا تھا۔ وہ ستارہ آج رات طلوع ہو گیا ہے جو اس بچے کی پیدائش کی علامت ہے... اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس وقت اس بچے کو درد ہو رہا ہے، یہ تکلیف اسے تین دن رہے گی، اور اس کے بعد یہ ٹھیک ہو جائے گا۔''

راہب نے جو یہ کہا تھا کہ بچہ تین دن تک تکلیف میں رہے گا تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے تین دن تک دودھ نہیں پیا تھا اور یہودی نے جو یہ کہا تھا کہ ہاں! آپ ہی اس کے باپ ہو سکتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ عربوں میں دادا کو بھی باپ کہہ دیا جاتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار خود فرمایا تھا:

''میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

یہودی نے عبدالمطلب سے یہ بھی کہا تھا:

''اس بارے میں اپنی زبان بند رکھیں، یعنی کسی کو کچھ نہ بتائیں، ورنہ لوگ اس بچے سے زبردست حسد کریں گے، اتنا حسد کریں گے کہ آج تک کسی نے نہیں کیا اور اس کی اس قدر سخت مخالفت ہوگی کہ دنیا میں کسی اور کی اتنی مخالفت نہیں ہوئی۔''

پوتے کے متعلق یہ باتیں سن کر عبدالمطلب نے عیص سے پوچھا:

''اس بچے کی عمر کتنی ہوگی؟''

یہودی نے اس سوال کے جواب میں کہا:

''اگر اس بچے کی عمر طبعی ہوئی تو بھی ستر سال تک نہیں ہوگی، بلکہ اس سے پہلے ہی 61 یا 63 سال کی عمر میں وفات ہو جائے گی اور اس کی امت کی اوسط عمر بھی اتنی ہی ہوگی، اس کی پیدائش کے وقت دنیا کے بت ٹوٹ کر گر جائیں گے۔''

یہ ساری علامات اس یہودی نے گزشتہ انبیاء کی پیش گوئیوں سے معلوم کی تھیں اور سب

کی سب بالکل سچ ثابت ہوئیں۔

قریش کے کچھ لوگ عمرو بن نفیل اور عبداللہ بن جحش وغیرہ ایک بت کے پاس جایا کرتے تھے۔ یہ اس رات بھی اس کے پاس گئے جس رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش ہوئی۔ انہوں نے دیکھا، وہ بت اوندھے منہ گرا پڑا ہے۔ ان لوگوں کو یہ بات بری لگی، انہوں نے اس کو اٹھایا، سیدھا کر دیا مگر وہ پھر گر گیا۔ انہوں نے پھر اس کو سیدھا کیا، وہ پھر الٹا ہو گیا۔ ان لوگوں کو بہت حیرت ہوئی، یہ بات بہت عجیب لگی۔ تب اس بت سے آواز نکلی:

''یہ ایک ایسے بچے کی پیدائش کی خبر ہے جس کے نور سے مشرق اور مغرب میں زمین کے تمام گوشے منور ہو گئے ہیں۔''

بت سے نکلنے والی آواز نے انہیں اور زیادہ حیرت زدہ کر دیا۔

اس کے علاوہ ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایران کے شہنشاہ کسریٰ نوشیرواں کا محل ہلنے لگا اور اس میں شگاف پڑ گئے۔ نوشیرواں کا یہ محل نہایت مضبوط تھا۔ بڑے بڑے پتھروں اور چونے سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس واقعے سے پوری سلطنت میں دہشت پھیل گئی۔ شگاف پڑنے سے خوفناک آواز بھی نکلی تھی۔ محل کے چودہ کنگرے ٹوٹ کر نیچے آ گرے تھے۔

آپ کی پیدائش پر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ فارس کے تمام آتش کدوں کی وہ آگ بجھ گئی جس کی وہ لوگ پوجا کرتے تھے اور اس کو بجھنے نہیں دیتے تھے، لیکن اس رات ایک ہی وقت میں تمام کے تمام آتش کدوں کی آگ آناً فاناً بجھ گئی۔ آگ کے پوجنے والوں میں رونا پیٹنا مچ گیا۔

کسریٰ کو یہ تمام اطلاعات ملیں تو اس نے ایک کاہن کو بلایا۔ اس نے اپنے محل میں شگاف پڑنے اور آتش کدوں کی آگ بجھنے کے واقعات اسے سنا کر پوچھا:

''آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے۔''

وہ کاہن خود تو جواب نہ دے سکا، تاہم اس نے کہا:

''ان سوالات کے جوابات میرا ماموں دے سکتا ہے، اس کا نام سطیح ہے۔''

نوشیرواں نے کہا:

''ٹھیک ہے، تم جا کر ان سوالات کے جوابات لاؤ۔''

وہ گیا، سطیح سے ملا، اسے یہ واقعات سنائے، اس نے سن کر کہا:

''ایک عصا والے نبی ظاہر ہوں گے جو عرب اور شام پر چھا جائیں گے اور جو کچھ ہونے والا ہے، ہو کر رہے گا۔''

اس نے یہ جواب کسریٰ کو بتایا۔ اس وقت تک کسریٰ نے دوسرے کاہنوں سے بھی معلومات حاصل کر لی تھیں، چنانچہ یہ سن کر اس نے کہا:

''تب پھر ابھی وہ وقت آنے میں دیر ہے۔'' (یعنی ان کا غلبہ میرے بعد ہوگا)

پیدائش کے ساتویں دن عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا اور نام ''محمد'' رکھا۔ عربوں میں اس سے پہلے یہ نام کسی کا نہیں رکھا گیا تھا۔ قریش کو یہ نام عجیب سا لگا، چنانچہ کچھ لوگوں نے عبدالمطلب سے کہا:

''اے عبدالمطلب! کیا وجہ ہے کہ تم نے اس بچے کا نام اس کے باپ دادا کے نام پر نہیں رکھا بلکہ محمد رکھا ہے اور یہ نام نہ تمہارے باپ دادا میں سے کسی کا ہے نہ تمہاری قوم میں سے کسی کا ہے۔''

عبدالمطلب نے انہیں جواب دیا:

''میری تمنا ہے کہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ اس بچے کی تعریف فرمائیں اور زمین پر لوگ اس کی تعریف کریں۔'' (محمد کے معنی ہیں جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے۔)

اسی طرح والدہ کی طرف سے آپ کا نام احمد رکھا گیا۔ احمد نام بھی اس سے پہلے کسی کا نہیں رکھا گیا تھا۔ مطلب یہ کہ ان دونوں ناموں کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت کی اور کوئی بھی یہ نام نہ رکھ سکا۔ احمد کا مطلب ہے، سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ آپ احمد پہلے ہیں اور محمد بعد میں۔ یعنی آپ کی تعریف دوسروں نے بعد میں کی، اس سے پہلے آپ کی شان یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد وثنا کرنے والے ہیں۔ پرانی کتابوں میں آپ کا نام احمد ذکر کیا گیا ہے۔

اپنی والدہ کے بعد آپ نے سب سے پہلے ثویبہ کا دودھ پیا، ثویبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابولہب کی باندی تھیں۔ ان کو ابولہب نے آپ کی پیدائش کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا۔ ثویبہ نے آپ کو چند دن تک دودھ پلایا۔ انہی دنوں ثویبہ کے ہاں اپنا بیٹا پیدا ہوا تھا۔ آپ کی والدہ نے آپ کو صرف نو دن تک دودھ پلایا۔ ان کے بعد ثویبہ نے پلایا۔ پھر دودھ پلانے کی باری حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی آئی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا دوسری عورتوں کے ساتھ اپنی بستی سے روانہ ہوئیں۔ ان کے ساتھ ان کا دودھ پیتا بچہ اور شوہر بھی تھے۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا دوسری عورتوں کے بعد مکہ میں داخل ہوئیں۔ ان کا خچر بہت کمزور اور مریل تھا۔ ان کے ساتھ ان کی کمزور اور بوڑھی اونٹنی تھی۔ وہ بہت آہستہ چلتی تھی۔ ان کی وجہ سے حلیمہ رضی اللہ عنہا قافلے سے بہت پیچھے رہ جاتی تھیں۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ وہ سب سے آخر میں مکہ میں داخل ہوئیں۔

☆☆☆

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی گود میں

اس زمانے میں عرب کا دستور یہ تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ دیہات سے آنے والی دائیوں کے حوالے کر دیتے تھے تا کہ دیہات میں بچے کی نشو ونما بہتر ہو اور وہ خالص عربی زبان سیکھ سکے۔

دائیوں کا قافلہ مکہ میں داخل ہوا۔ انہوں نے ان گھروں کی تلاش شروع کی جن میں بچے پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح بہت سی دائیاں جناب عبدالمطلب کے گھر بھی آئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ بچہ تو یتیم پیدا ہوا ہے تو اس خیال سے چھوڑ کر آگے بڑھ گئیں کہ یتیم بچے کے گھرانے سے انہیں کیا ملے گا۔ اس طرح دائیاں آتی رہیں، جاتی رہیں... کسی نے آپ کو دودھ پلانا منظور نہ کیا اور کرتیں بھی کیسے؟ یہ سعادت تو حضرت حلیمہؓ کے حصے میں آنا تھی۔

جب حلیمہ رضی اللہ عنہا مکہ پہنچیں تو انہیں معلوم ہوا، سب عورتوں کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا ہے اور اب صرف وہ بغیر بچے کے رہ گئی ہیں اور اب کوئی بچہ باقی نہیں بچا... ہاں ایک یتیم بچہ ضرور باقی ہے جسے دوسری عورتیں چھوڑ گئی ہیں۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر عبداللہ بن حارث سے کہا:

''خدا کی قسم! مجھے یہ بات بہت ناگوار گزر رہی ہے کہ میں کسی بچے کے بغیر جاؤں اور

دوسری سب عورتیں بچے لے کر جائیں، یہ مجھے طعنے دیں گی، اس لیے کیوں نہ ہم اسی یتیم بچے کو لے لیں۔"

عبداللہ بن حارث بولے:

"کوئی حرج نہیں! ہوسکتا ہے، اللہ اسی بچے کے ذریعے ہمیں خیر و برکت عطا فرمادیں۔"

چنانچہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا عبدالمطلب کے گھر گئیں۔ جناب عبدالمطلب اور حضرت آمنہ نے انہیں خوش آمدید کہا۔ پھر آمنہ انہیں بچے کے پاس لے آئیں۔ آپ اس وقت ایک اونی چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ وہ چادر سفید رنگ کی تھی۔ آپ کے نیچے ایک سبز رنگ کا ریشمی کپڑا تھا۔ آپ سیدھے لیٹے ہوئے تھے، آپ کے سانس کی آواز کے ساتھ مشک کی سی خوشبو نکل کر پھیل رہی تھی۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں۔ آپ اس وقت سوئے ہوئے تھے، انہوں نے جگانا مناسب نہ سمجھا، لیکن جونہی انہوں نے پیار سے اپنا ہاتھ آپ کے سینے پر رکھا، آپ مسکرادیے اور آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میں نے دیکھا، آپ کی آنکھوں سے ایک نور نکلا جو آسمان تک پہنچ گیا، میں نے آپ کو گود میں اٹھا کر آپ کی دونوں آنکھوں کی درمیانی جگہ پر پیار کیا۔ پھر میں نے آپ کی والدہ اور عبدالمطلب سے اجازت چاہی، بچے کو لیے قافلے میں آئی۔ میں نے آپ کو دودھ پلانے کے لیے گود میں لٹایا تو آپ دائیں طرف سے دودھ پینے لگے، پہلے میں نے بائیں طرف سے دودھ پلانا چاہا، لیکن آپ نے اس طرف سے دودھ نہ پیا، دائیں طرف سے آپ فوراً دودھ پینے لگے۔ بعد میں بھی آپ کی یہی عادت رہی، آپ صرف دائیں طرف سے دودھ پیتے رہے، بائیں طرف سے میرا بچہ دودھ پیتا رہا۔

پھر قافلہ روانہ ہوا۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میں اپنے خچر پر سوار ہوئی۔ آپ کو ساتھ لے لیا۔ اب جو ہمارا خچر چلا تو اس قدر تیز چلا

کہ اس نے پورے قافلے کی سواریوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ پہلے وہ مریل ہونے کی بنا پر سب سے پیچھے رہتا تھا۔ میری ساتھی خواتین حیرانگی سے مجھ سے مخاطب ہوئیں:

''اے حلیمہ! یہ آج کیا ہو رہا ہے، تمہارا خچر اس قدر تیز کیسے چل رہا ہے، کیا یہ وہی خچر ہے جس پر تم آئی تھیں اور جس کے لیے ایک ایک قدم اٹھانا مشکل تھا؟''

جواب میں میں نے ان سے کہا:

''بے شک! یہ وہی خچر ہے، اللہ کی قسم! اس کا معاملہ عجیب ہے۔''

پھر یہ لوگ بنوسعد کی بستی پہنچ گئے، ان دنوں یہ علاقہ خشک اور قحط زدہ تھا، حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''اس شام جب ہماری بکریاں چر کر واپس آئیں تو ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے جب کہ اس سے پہلے ایسا نہیں تھا، ان میں سے دودھ بہت کم اور بہت مشکل سے نکلتا تھا۔ ہم نے اس دن اپنی بکریوں کا دودھ دوہا تو ہمارے سارے برتن بھر گئے اور ہم نے جان لیا کہ یہ ساری برکت اس بچے کی وجہ سے ہے۔ آس پاس کی عورتوں میں بھی یہ بات پھیل گئی، ان کی بکریاں بدستور بہت کم دودھ دے رہی تھیں۔

غرض ہمارے گھر میں ہر طرف، ہر چیز میں برکت نظر آنے لگی۔ دوسرے لوگ تعجب میں رہے۔ اس طرح دو ماہ گزر گئے۔ دو ماہ ہی میں آپ چلنے پھرنے لگے۔ آپ آٹھ ماہ کے ہوئے تو باتیں کرنے لگے اور آپ کی باتیں سمجھ میں آتی تھیں۔ نو ماہ کی عمر میں تو آپ بہت صاف گفتگو کرنے لگے۔

اس دوران آپ کی بہت سی برکات دیکھنے میں آئیں۔ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں:

''جب میں آپ کو اپنے گھر لے آئی تو بنوسعد کا کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جس سے مشک کی خوشبو نہ آتی ہو، اس طرح سب لوگ آپ سے محبت کرنے لگے۔ جب ہم نے آپ کا دودھ چھڑایا تو آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے:

''اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْراً وَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْراً وَّ سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلاً۔''

یعنی اللہ بہت بڑا ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے بے حد تعریف ہے اور اس کے لیے صبح اور شام پاکی ہے۔''

پھر جب آپ دو سال کے ہوگئے تو ہم آپ کو لے کر آپ کی والدہ کے پاس آئے، اس عمر کو پہنچنے کے بعد بچوں کو ان کے ماں باپ کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ ادھر ہم آپ کی برکات دیکھ چکے تھے اور ہماری آرزو تھی کہ ابھی آپ کچھ مدت اور ہمارے پاس رہیں، چنانچہ ہم نے اس بارے میں آپ کی والدہ سے بات کی، ان سے یوں کہا:

''ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم بچے کو ایک سال اور اپنے پاس رکھیں، میں ڈرتی ہوں، کہیں اس پر مکّہ کی بیماریوں اور آب و ہوا کا اثر نہ ہو جائے۔''

جب ہم نے ان سے بار بار کہا تو حضرت آمنہ مان گئیں اور ہم آپ کو پھر اپنے گھر لے آئے۔

جب آپ کچھ بڑے ہوئے تو گھر سے باہر نکل کر دوسرے بچوں کو دیکھتے تھے۔ وہ آپ کو کھیلتے نظر آتے، آپ ان کے نزدیک نہ جاتے۔ ایک روز آپ نے مجھ سے پوچھا:

''امی جان! کیا بات ہے، دن میں میرے بہن بھائی نظر نہیں آتے؟''

آپ اپنے دودھ شریک بھائی عبداللہ اور بہنوں انیسہ اور شیما کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے آپ کو بتایا:

''وہ صبح سویرے بکریاں چرانے جاتے ہیں، شام کے بعد گھر آتے ہیں۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''تب مجھے بھی ان کے ساتھ بھیج دیا کریں۔''

اس کے بعد آپ اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ جانے لگے۔ آپ خوش خوش جاتے اور واپس آتے۔ ایسے میں ایک دن میرے بچے خوف زدہ انداز میں دوڑتے ہوئے آئے اور گھبرا کر بولے:

''امی جان! جلدی چلیے ... ورنہ ہمارے بھائی محمد ختم ہو جائیں گے۔''

یہ سن کر ہمارے تو ہوش اڑ گئے، دوڑ کر وہاں پہنچے، ہم نے آپ کو دیکھا، آپ کھڑے ہوئے تھے، رنگ اڑا ہوا تھا۔ چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور یہ اس لیے نہیں تھا کہ آپ کو سینہ چاک کیے جانے سے کوئی تکلیف ہوئی تھی بلکہ ان فرشتوں کو دیکھ کر آپ کی یہ حالت ہوئی تھی۔''

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ہم نے آپ سے پوچھا:

''کیا ہوا تھا؟''

آپ نے بتایا:

''میرے پاس دو آدمی آئے۔ وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ (وہ دونوں حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام تھے) ان دونوں میں سے ایک نے کہا:

''کیا یہ وہی ہیں؟''

دوسرے نے جواب دیا:

''ہاں! یہ وہی ہیں۔''

پھر وہ دونوں میرے قریب آئے، انہوں نے مجھے پکڑا اور لٹا دیا۔ اس کے بعد انہوں نے میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے کوئی چیز تلاش کرنے لگے۔ آخر انہیں وہ چیز مل گئی اور انہوں نے اسے باہر نکال کر پھینک دیا، میں نہیں جانتا، وہ کیا چیز تھی۔''

اس چیز کے بارے میں دوسری روایات میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ وہ سیاہ رنگ کا ایک دانہ سا تھا۔ یہ انسان کے جسم میں شیطان کا گھر ہوتا ہے اور شیطان انسان کے بدن میں یہیں سے اثرات ڈالتا ہے۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، پھر ہم آپ کو گھر لے آئے۔ اس وقت میرے شوہر عبداللہ بن حارث نے مجھ سے کہا:

''حلیمہ! مجھے ڈر ہے، کہیں اس بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے، اس لیے اسے اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دو۔''

میں نے کہا، ٹھیک ہے، پھر ہم آپ کو لے کر مکّہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب میں مکّہ کے بالائی علاقے میں پہنچی تو آپ اچانک غائب ہو گئے۔ میں حواس باختہ ہوگئی۔

☆☆☆

یہ غالب آئے گا

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں: ”میں پریشانی کی حالت میں مکہ پہنچی، آپ کے دادا عبدالمطلب کے پاس پہنچتے ہی میں نے کہا:

”میں آج رات محمد کو لے کر آ رہی تھی، جب میں بالائی علاقے میں پہنچی تو وہ اچانک کہیں گم ہو گئے۔ اب خدا کی قسم میں نہیں جانتی، وہ کہاں ہیں؟“

عبدالمطلب یہ سن کر فوراً کعبہ کے پاس کھڑے ہو گئے، انہوں نے آپ کے مل جانے کے لیے دعا کی۔ پھر آپ کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ ورقہ بن نوفل بھی تھے۔ غرض دونوں تلاش کرتے کرتے تہامہ کی وادی میں پہنچے۔ ایک درخت کے نیچے انہیں ایک لڑکا کھڑا نظر آیا۔ اس درخت کی شاخیں بہت گھنی تھیں۔ عبدالمطلب نے پوچھا:

”لڑکے تم کون ہو؟“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اس وقت تک قد نکال چکے تھے، اس لیے عبدالمطلب پہچان نہ سکے۔ آپ کا قد تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ جواب میں آپ نے فرمایا:

”میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔“

یہ سن کر عبدالمطلب بولے:

”تم پر میری جان قربان، میں ہی تمہارا دادا عبدالمطلب ہوں۔“

پھر انہوں نے آپ کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور رونے لگے، آپ کو گھوڑے پر اپنے

آگے بٹھایا اور مکہ کی طرف چلے۔ گھر آ کر انہوں نے بکریاں اور گائیں ذبح کیں اور مکے والوں کی دعوت کی۔

آپ کے مل جانے کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ، حضرت آمنہ کے پاس آئیں تو انہوں نے پوچھا:

''حلیمہ! اب آپ بچے کو کیوں لے آئیں، آپ کی تو خواہش تھی کہ یہ ابھی آپ کے پاس اور رہیں؟''

انہوں نے جواب دیا:

''یہ اب بڑے ہو گئے ہیں اور اللہ کی قسم میں اپنی ذمے داری پوری کر چکی ہوں، میں خوف محسوس کرتی رہتی ہوں، کہیں انہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ جائے، لہٰذا انہیں آپ کے سپرد کرتی ہوں۔''

حضرت آمنہ کو یہ جواب سن کر حیرت ہوئی۔ بولیں:

''مجھے سچ سچ بتاؤ، ماجرا کیا ہے؟''

تب انہوں نے سارا حال کہہ سنایا۔ حلیمہ سعدیہ نے دراصل کئی عجیب وغریب واقعات دیکھے تھے۔ ان واقعات کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہو گئی تھیں، پھر سینۂ مبارک چاک کیے جانے والا واقعہ پیش آیا تو وہ آپ کو فوری طور پر واپس کرنے پر مجبور ہوئیں۔ وہ چند واقعات حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اس طرح بیان کرتی ہیں:

''ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت میرے پاس سے گزری۔ یہ لوگ آسمانی کتاب تورات کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے، میں نے ان سے کہا، کیا آپ لوگ میرے اس بیٹے کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟''

ساتھ ہی میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے بارے میں انہیں تفصیلات سنائیں.... یہودی تفصیلات سن کر آپس میں کہنے لگے:

''اس بچے کو قتل کر دینا چاہیے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے پوچھا:

''کیا یہ بچہ یتیم ہے؟''

میں نے ان کی بات سن لی تھی کہ وہ ان کے قتل کا ارادہ کر رہے ہیں، سو میں نے جلدی سے اپنے شوہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''نہیں! یہ رہے اس بچے کے باپ۔''

تب انہوں نے کہا:

''اگر یہ بچہ یتیم ہوتا تو ہم ضرور اسے قتل کر دیتے۔''

یہ بات انہوں نے اس لیے کہی کہ انہوں نے پرانی کتابوں میں پڑھ رکھا تھا کہ ایک آخری نبی آنے والے ہیں، ان کا دین سارے عالم میں پھیل جائے گا، ہر طرف ان کا بول بالا ہوگا، ان کی پیدائش اور بچپن کی یہ یہ علامات ہوں گی اور یہ کہ وہ یتیم ہوں گے۔ اب چونکہ حلیمہ سعدیہ نے ان سے یہ کہہ دیا کہ یہ بچہ یتیم نہیں ہے تو انہوں نے خیال کر لیا کہ یہ وہ بچہ نہیں ہے۔ اس طرح انہوں نے بچے کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اسی طرح ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا، ایک مرتبہ وہ آپ کو عکاظ کے میلے میں لے آئیں۔ جاہلیت کے دور میں یہاں بہت مشہور میلہ لگتا تھا۔ یہ میلہ طائف اور نخلہ کے درمیان میں لگتا تھا۔ عرب کے لوگ حج کرنے آتے تو شوال کا مہینہ اس میلے میں گزارتے، کھیلتے، کودتے اور اپنی بڑائیاں بیان کرتے۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ کو لیے بازار میں گھوم رہی تھیں کہ ایک کاہن کی نظر آپ پر پڑی۔ اسے آپ میں نبوت کی تمام علامات نظر آ گئیں۔ اس نے پکار کر کہا:

''لوگو! اس بچے کو مار ڈالو۔''

حلیمہ اس کاہن کی بات سن کر گھبرا گئیں اور جلدی سے وہاں سے سرک گئیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی۔

میلے میں موجود لوگوں نے کاہن کی آواز سن کر اِدھر اُدھر دیکھا کہ کس بچے کو قتل کرنے

کے لیے کہا گیا ہے، مگر انہیں وہاں کوئی بچہ نظر نہ آیا۔ اب ان لوگوں نے کاہن سے پوچھا:

''کیا بات ہے، آپ کس بچے کو مار ڈالنے کے لیے کہہ رہے ہیں؟''

اس نے ان لوگوں کو بتایا:

''میں نے ابھی ایک لڑکے کو دیکھا ہے، معبودوں کی قسم! وہ تمہارے دین کے ماننے والوں کو قتل کرے گا، تمہارے بتوں کو توڑے گا اور وہ تم سب پر غالب آئے گا۔''

یہ سن کر لوگ آپ کی تلاش میں ادھر اُدھر دوڑے، لیکن ناکام رہے۔ حلیمہ سعدیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیے واپس آ رہی تھیں کہ ذی الحجاز سے ان کا گزر ہوا۔ یہاں بھی میلہ لگا ہوا تھا۔ اس بازار میں ایک نجومی تھا۔ لوگ اس کے پاس اپنے بچوں کو لے کر آتے تھے، وہ بچوں کو دیکھ کر ان کی قسمت کے بارے میں اندازے لگاتا تھا۔ حلیمہ سعدیہ اس کے نزدیک سے گزریں تو نجومی کی نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی، نجومی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت نظر آ گئی، ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی خاص سرخی اس نے دیکھ لی۔ وہ چلا اٹھا:

''اے عرب کے لوگو! اس لڑکے کو قتل کر دو، یہ یقیناً تمہارے دین کے ماننے والوں کو قتل کرے گا، تمہارے بتوں کو توڑے گا اور تم پر غالب آئے گا۔''

یہ کہتے ہوئے وہ آپ کی طرف جھپٹا، لیکن اسی وقت وہ پاگل ہو گیا اور اسی پاگل پن میں مر گیا۔

ایک اور واقعہ ہوا۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حبشہ کے عیسائیوں کی ایک جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزری۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلیمہ سعدیہ کے ساتھ تھے اور وہ آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے حوالے کرنے جا رہی تھیں۔ ان عیسائیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی سرخی کو بھی دیکھا، انہوں نے حلیمہ سعدیہ سے پوچھا:

''کیا اس بچے کی آنکھوں میں کوئی تکلیف ہے؟''

انہوں نے جواب میں کہا:

''نہیں! کوئی تکلیف نہیں! یہ سرخی تو ان کی آنکھوں میں قدرتی ہے۔''

ان عیسائیوں نے کہا:

''تب اس بچے کو ہمارے حوالے کردو، ہم اسے اپنے ملک لے جائیں گے، یہ بچہ پیغمبر اور بڑی شان والا ہے۔ ہم اس کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔''

حلیمہ سعدیہ یہ سنتے ہی وہاں سے جلدی سے دور چلی گئیں، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے پاس پہنچا دیا۔

ان تمام واقعات میں جو سب سے اہم واقعہ ہے، وہ سینہ مبارک چاک کرنے والا تھا۔ روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر سلائی کے نشانات موجود تھے جیسا کہ آج کل ڈاکٹر حضرات آپریشن کے بعد ٹانکے لگاتے ہیں، ٹانکے کھول دیے جانے کے بعد بھی سلائی کے نشانات موجود رہتے ہیں۔ اس واقعے کے بعد حلیمہ سعدیہ اور ان کے خاوند نے فیصلہ کیا کہ اب بچے کو اپنے پاس نہیں رکھنا چاہیے...

جب حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آمنہ کے حوالے کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 4 سال تھی۔ ایک روایت یہ ملتی ہے کہ اس وقت عمر شریف پانچ سال تھی، ایک تیسری روایت کے مطابق عمر مبارک چھ سال ہو چکی تھی۔

جب حلیمہ سعدیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آمنہ کے حوالے کیا، تو اس کے کچھ دنوں بعد حضرت آمنہ انتقال کر گئیں، والدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ حضرت آمنہ کی وفات مکہ اور مدینہ کے درمیان ابواء کے مقام پر ہوئی۔ آپ کو یہیں دفن کیا گیا۔

ہوا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے میکے مدینہ منورہ گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ام ایمن بھی تھیں۔ ام ایمن کہتی ہیں، ایک دن مدینہ کے دو یہودی میرے پاس آئے اور بولے:

''ذرا محمد کو ہمارے سامنے لاؤ، ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔''

وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سامنے لے آئیں۔ انہوں نے اچھی طرح دیکھا پھر ایک نے اپنے ساتھی سے کہا:

''یہ اس امت کا نبی ہے، اور یہ شہر ان کی ہجرت گاہ ہے، یہاں زبردست جنگ ہوگی، قیدی پکڑے جائیں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کو یہودیوں کی اس بات کا پتا چلا تو آپ ڈر گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئیں... مگر راستے ہی میں ابواء کے مقام پر وفات پا گئیں۔

☆☆☆

نرالی شان کا مالک

حضرت آمنہ کے انتقال کے پانچ دن بعد ام ایمن آپ کو لے کر مکہ پہنچیں۔ آپ کو عبدالمطلب کے حوالے کیا۔ آپ کے یتیم ہو جانے کا انہیں اتنا صدمہ تھا کہ بیٹے کی وفات پر بھی اتنا نہیں ہوا تھا۔

عبدالمطلب کے لیے کعبہ کے سائے میں ایک قالین بچھایا جاتا تھا، وہ اس پر بیٹھا کرتے تھے۔ ان کا احترام اس قدر تھا کہ کوئی اور اس قالین پر نہیں بیٹھتا تھا، چنانچہ ان کے بیٹے اور قریش کے سردار اس قالین کے چاروں طرف بیٹھتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لاتے تو سیدھے اس قالین پر جا بیٹھتے۔ اس وقت آپ ایک تندرست لڑکے تھے، آپ کی عمر نو سال کے قریب ہو چلی تھی، آپ کے چچا عبدالمطلب کے ادب کی وجہ سے آپ کو اس قالین سے ہٹانا چاہتے تو عبدالمطلب کہتے:

''میرے بیٹے کو چھوڑ دو، اللہ کی قسم! یہ بہت شان والا ہے۔''

پھر وہ آپ کو محبت سے اس فرش پر بٹھاتے، آپ کی کمر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے، آپ کی باتیں سن سن کر حد درجے خوش ہوتے رہتے۔

کبھی وہ دوسروں سے کہتے:

''میرے بیٹے کو یہیں بیٹھنے دو، اسے خود بھی احساس ہے کہ اس کی بڑی شان ہے، اور میری آرزو ہے، یہ اتنا بلند رتبہ پائے جو کسی عرب کو اس سے پہلے حاصل نہ ہوا ہو اور نہ بعد

میں کسی کو حاصل ہو سکے۔''

ایک بار انہوں نے یہ الفاظ کہے:

''میرے بیٹے کو چھوڑ دو، اس کے مزاج میں طبعی طور پر بلندی ہے... اس کی شان نرالی ہوگی۔''

یہاں تک کہ عمر کے آخری حصے میں حضرت عبدالمطلب کی آنکھیں جواب دے گئی تھیں، آپ نابینا ہو گئے تھے۔ ایسی حالت میں ایک روز وہ اس قالین پر بیٹھے تھے کہ آپ تشریف لے آئے اور سیدھے اس قالین پر جا پہنچے۔ ایک شخص نے آپ کو قالین سے کھینچ لیا۔ اس پر آپ رونے لگے، آپ کے رونے کی آواز سن کر عبدالمطلب بے چین ہوئے اور بولے:

''میرا بیٹا کیوں رو رہا ہے؟''

''آپ کے قالین پر بیٹھنا چاہتا ہے... ہم نے اسے قالین سے اتار دیا ہے۔''

یہ سن کر عبدالمطلب نے کہا:

''میرے بیٹے کو قالین پر ہی بٹھا دو، یہ اپنا رتبہ پہچانتا ہے، میری دعا ہے کہ یہ اس رتبے کو پہنچے جو اس سے پہلے کسی عرب کو نہ ملا ہو، نہ اس کے بعد کسی کو ملے۔''

اس کے بعد پھر کسی نے آپ کو قالین پر بیٹھنے سے نہیں روکا۔

ایک روز بنو مدلج کے کچھ لوگ حضرت عبدالمطلب سے ملنے کے لیے آئے... ان کے پاس اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ بنو مدلج کے لوگوں نے آپ کو دیکھا، یہ لوگ قیافہ شناس تھے، آدمی کا چہرہ دیکھ کر اس کے مستقبل کے بارے میں اندازے بیان کرتے تھے۔ انہوں نے عبدالمطلب سے کہا:

''اس بچے کی حفاظت کریں، اس لیے کہ مقام ابراہیم پر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کا نشان ہے، اس بچے کے پاؤں کا نشان بالکل اس نشان سے ملتا جلتا ہے، اس قدر مشابہت ہم نے کسی اور کے پاؤں کے نشان میں نہیں دیکھی... ہمارا خیال ہے... یہ بچہ نرالی شان کا مالک ہوگا... اس لیے اس کی حفاظت کریں۔''

مقام ابراہیم خانہ کعبہ میں وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر کے وقت کھڑے ہوئے تھے۔ معجزے کے طور پر اس پتھر پر ابراہیم علیہ السلام کے پیروں کے نشان پڑ گئے تھے۔ لوگ اس پتھر کی زیارت کرتے ہیں۔ یہی مقام ابراہیم ہے۔ چونکہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں، اس لیے ان کے پاؤں کی مشابہت آپ میں ہونا قدرتی بات تھی۔

ایک روز حضرت عبدالمطلب خانہ کعبہ میں حجر اسود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسے میں ان کے پاس نجران کے عیسائی آ گئے۔ ان میں ایک بڑا پادری بھی تھا۔ اس پادری نے عبدالمطلب سے کہا:

''ہماری کتابوں میں ایک ایسے نبی کی علامات ہیں جو اسماعیل کی اولاد میں ہونا باقی ہے، یہ شہر اس کی جائے پیدائش ہوگا، اس کی یہ یہ نشانیاں ہوں گی۔''

ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ کوئی شخص آپ کو لے کر وہاں آ پہنچا۔ پادری کی نظر جونہی آپ پر پڑی، وہ چونک اٹھا، آپ کی آنکھوں، کمر اور پیروں کو دیکھ کر وہ چلا اٹھا:

''وہ نبی یہی ہیں، یہ تمہارے کیا لگتے ہیں۔''

عبدالمطلب بولے:

''یہ میرے بیٹے ہیں۔''

اس پر وہ پادری بولا:

''اوہ! تب یہ وہ نہیں... اس لیے کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ اس کے والد کا انتقال اس کی پیدائش سے پہلے ہو جائے گا۔''

یہ سن کر عبدالمطلب بولے:

''یہ دراصل میرا پوتا ہے، اس کے باپ کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب یہ پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔''

اس پر پادری بولا:

''ہاں! یہ بات ہوئی نا... آپ اس کی پوری طرح حفاظت کریں۔''

عبدالمطلب کی آپ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ کھانا کھانے بیٹھتے تو کہتے:

''میرے بیٹے کو لے آؤ۔''

آپ تشریف لاتے تو عبدالمطلب آپ کو اپنے پاس بٹھاتے۔ آپ کو اپنے ساتھ کھلاتے۔

بہت زیادہ عمر والے ایک صحابی حیدہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''میں ایک مرتبہ اسلام سے پہلے، جاہلیت کے زمانے میں حج کے لیے مکہ معظّمہ گیا۔ میں وہاں بیت اللہ کا طواف کررہا تھا، میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا، جو بہت بوڑھا اور بہت لمبے قد کا تھا۔ وہ بیت اللہ کا طواف کررہا تھا اور کہہ رہا تھا، اے میرے پروردگار میری سواری کو محمد کی طرف پھیر دے اور اسے میرا دست و بازو بنا دے۔ میں نے اس بوڑھے کو جب یہ شعر پڑھتے سنا تو لوگوں سے پوچھا:

''یہ کون ہے؟''

لوگوں نے بتایا، یہ عبدالمطلب بن ہاشم ہیں۔ انہوں نے اپنے پوتے کو اپنے ایک اونٹ کی تلاش میں بھیجا ہے۔ وہ اونٹ گم ہوگیا ہے، اور وہ پوتا ایسا ہے کہ جب بھی کسی گم شدہ چیز کی تلاش میں اسے بھیجا جاتا ہے تو وہ اس چیز کو لے کر ہی آتا ہے۔ پوتے سے پہلے یہ اپنے بیٹوں کو اس اونٹ کی تلاش میں بھیج چکے ہیں، لیکن وہ ناکام لوٹ آئے ہیں۔ اب پوتے کو گئے ہوئے چونکہ دیر ہوگئی ہے، اس لیے یہ پریشان ہیں اور یہ دعا مانگ رہے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ میں نے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کو لیے تشریف لا رہے ہیں۔ عبدالمطلب نے آپ کو دیکھ کر کہا:

''میرے بیٹے! میں تمہارے لیے اس قدر فکرمند ہوگیا تھا کہ شاید اس کا اثر کبھی میرے دل سے نہ جائے۔

عبدالمطلب کی بیوی کا نام رقیقہ بنت ابوسیفی تھا۔ وہ کہتی ہیں:

''قریش کئی سال سے سخت قحط سالی کا شکار تھے۔ بارشیں بالکل بند تھیں۔ سب لوگ پریشان تھے، اسی زمانے میں، میں نے ایک خواب دیکھا، کوئی شخص خواب میں کہہ رہا تھا:

''اے قریش کے لوگو! تم میں سے ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے، اس کے ظہور کا وقت آ گیا ہے۔ اس کے ذریعے تمہیں زندگی ملے گی، یعنی خوب بارشیں ہوں گی، سرسبزی اور شادابی ہوگی، تم اپنے لوگوں میں سے ایک ایسا شخص تلاش کرو، جو لمبے قد کا ہو، گورے رنگ کا ہو، اس کی پلکیں گھنی ہوں، بھنویں اور ابرو ملے ہوئے ہوں، وہ شخص اپنی تمام اولاد کے ساتھ نکلے اور تم میں سے ہر خاندان کا ایک آدمی نکلے، سب پاک صاف ہوں اور خوشبو لگائیں، وہ حجر اسود کو بوسہ دیں، پھر سب جبلِ ابوقبیس پر چڑھ جائیں۔ پھر وہ شخص جس کا حلیہ بتایا گیا ہے، آگے بڑھے اور بارش کی دعا مانگے اور تم سب آمین کہو تو بارش ہو جائے گی۔''

صبح ہوئی تو رقیقہ نے اپنا یہ خواب قریش سے بیان کیا۔ انہوں نے ان نشانیوں کو تلاش کیا تو سب کی سب نشانیاں انہیں عبدالمطلب میں مل گئیں، چنانچہ سب ان کے پاس جمع ہوئے، ہر خاندان سے ایک ایک آدمی آیا۔ ان سب نے شرائط پوری کیں۔ اس کے بعد سب ابوقبیس پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ آپ اس وقت نو عمر تھے۔ پھر عبدالمطلب آگے بڑھے اور انہوں نے یوں دعا کی:

''اے اللہ! یہ سب تیرے غلام ہیں، تیرے غلاموں کی اولاد ہیں، تیری باندیاں ہیں اور تیری باندیوں کی اولاد ہیں، ہم پر جو برا وقت آ پڑا ہے، تو دیکھ رہا ہے، ہم مسلسل قحط سالی کا شکار ہیں۔ اب اونٹ، گائیں، گھوڑے، خچر اور گدھے سب کچھ ختم ہو چکے ہیں اور جانوں پر بن آئی ہے۔ اس لیے ہماری یہ خشک سالی ختم فرما دے، ہمیں زندگی اور سرسبزی اور شادابی عطا فرما دے۔''

ابھی یہ دعا مانگ ہی رہے تھے کہ بارش شروع ہوگئی۔ وادیاں پانی سے بھر گئیں، لیکن اس بارش میں ایک بہت عجیب بات ہوئی۔

اور وہ عجیب بات یہ تھی کہ قریش کو یہ سیرابی ضرور حاصل ہوئی، مگر یہ بارش قبیلہ قیس اور قبیلہ مضر کی قریبی بستیوں میں بالکل نہ ہوئی۔ اب لوگ بہت حیران ہوئے کہ یہ کیا بات ہوئی۔ ایک قبیلے پر بارش اور آس پاس کے سب قبیلے بارش سے محروم... تمام قبیلوں کے سردار جمع ہوئے، اس سلسلے میں بات چیت شروع ہوئی۔ ایک سردار نے کہا:

''ہم زبردست قحط اور خشک سالی کا شکار ہیں جب کہ قریش کو اللہ نے بارش عطا کی ہے اور یہ عبدالمطلب کی وجہ سے ہوا ہے، اس لیے ہم سب ان کے پاس چلتے ہیں، اگر وہ ہمارے لیے دعا کر دیں تو شاید اللہ ہمیں بھی بارش دے دے۔''

یہ مشورہ سب کو پسند آیا، چنانچہ یہ لوگ مکہ معظّمہ میں آئے اور عبدالمطلب سے ملے۔ انہیں سلام کیا، پھر ان سے کہا:

''اے عبدالمطلب! ہم کئی سال سے خشک سالی کے شکار ہیں، ہمیں آپ کی برکت کے بارے میں معلوم ہوا ہے، اس لیے مہربانی فرما کر آپ ہمارے لیے بھی دعا کریں، اس لیے کہ اللہ نے آپ کی دعا سے قریش کو بارش عطا کی ہے۔''

ان کی بات سن کر عبدالمطلب نے کہا:

''اچھی بات ہے، میں کل میدان عرفات میں آپ لوگوں کے لیے بھی دعا کروں گا۔''

دوسرے دن صبح سویرے عبدالمطلب میدان عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ دوسرے لوگوں کے علاوہ ان کے بیٹے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ عرفات کے میدان میں عبدالمطلب کے لیے ایک کرسی بچھائی گئی۔ وہ اس پر بیٹھ گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے گود میں بٹھالیا، پھر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی:

''اے اللہ! چمکنے والی بجلی کے پروردگار۔ اور کڑکنے والی گرج کے مالک، پالنے والوں کے پالنے والے، اور مشکلات کو آسان کرنے والے، یہ قبیلہ قیس اور قبیلہ مضر کے لوگ ہیں، یہ بہت پریشان ہیں، ان کی کمریں جھک گئی ہیں، یہ تجھ سے اپنی لاچاری اور بے کسی کی فریاد کرتے ہیں اور جان و مال کی بربادی کی شکایت کرتے ہیں، پس اے اللہ! ان کے لیے

خوب برسنے والے بادل بھیج دے اور آسمان سے ان کے لیے رحمت عطا فرما، تاکہ ان کی زمینیں سرسبز ہو جائیں اور ان کی تکالیف دور ہو جائیں۔"

عبدالمطلب ابھی یہ دعا کر ہی رہے تھے کہ ایک سیاہ بادل اٹھا، عبدالمطلب کی طرف آیا اور اس کے بعد اس کا رخ قبیلہ قیس اور بنو مضر کی بستیوں کی طرف ہو گیا۔ یہ دیکھ کر عبدالمطلب نے کہا:

"اے گروہ قریش اور مضر، جاؤ! تمہیں سیرابی حاصل ہوگی۔"

چنانچہ یہ لوگ جب اپنی بستیوں میں پہنچے تو وہاں بارش شروع ہو چکی تھی۔

آپ سات سال کے ہو چکے تھے کہ آپ کی آنکھیں دکھنے کو آ گئیں۔ مکہ میں آنکھوں کا علاج کرایا گیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ عبدالمطلب سے کسی نے کہا:

"عکاظ کے بازار میں ایک راہب رہتا ہے، وہ آنکھوں کی تکالیف کا علاج کرتا ہے۔"

عبدالمطلب آپ کو اس کے پاس لے گئے۔ اس کی عبادت گاہ کا دروازہ بند تھا، انہوں نے اسے آواز دی۔ راہب نے کوئی جواب نہ دیا۔ اچانک عبادت گاہ میں شدید زلزلہ آیا۔ راہب ڈر گیا کہ کہیں عبادت خانہ اس کے اوپر نہ گر پڑے۔ اس لیے یک دم باہر نکل آیا۔

اب اس نے آپ کو دیکھا تو چونک اٹھا، اس نے کہا:

"اے عبدالمطلب! یہ لڑکا اس امت کا نبی ہے، اگر میں باہر نہ نکل آتا تو یہ عبادت گاہ ضرور مجھ پر گر پڑتی۔ اس لڑکے کو فوراً واپس لے جاؤ اور اس کی حفاظت کرو۔ کہیں یہودیوں یا عیسائیوں میں سے کوئی اسے قتل نہ کر دے۔"

پھر اس نے کہا:

"اور رہی بات ان کی آنکھوں کی... تو آنکھوں کی دوا تو خود ان کے اپنے پاس موجود ہے۔"

عبدالمطلب یہ سن کر حیران ہوئے اور بولے:

"ان کے اپنے پاس ہے، میں سمجھا نہیں۔"

''ہاں! ان کا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگائیں۔''
انہوں نے ایسا ہی کیا، آنکھیں فوراً ٹھیک ہوگئیں۔
پرانی آسمانی کتابوں میں آپ کی بہت سے نشانیاں لکھی ہوئی تھیں۔ اس کی تفصیل بہت دلچسپ ہے،

یمن میں ایک قبیلہ حمیر تھا۔ وہاں ایک شخص سیف بن یزن تھا۔ وہ سیف حمیری کہلاتا تھا۔ کسی زمانے میں اس کے باپ دادا اس ملک پر حکومت کرتے تھے، لیکن پھر حبشیوں نے یمن پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کرلیا۔ وہاں حبشیوں کی حکومت ہوگئی۔ ستر سال تک یمن حبشیوں کے قبضے میں رہا، جب یہ سیف بڑا ہوا تو اس کے اندر اپنے باپ دادا کا ملک آزاد کرانے کی امنگ پیدا ہوئی، چنانچہ اس نے ایک فوج تیار کی۔ اس فوج کے ذریعے حبشیوں پر حملہ کیا اور انہیں یمن سے بھگا دیا۔ اس طرح وہ باپ دادا کے ملک کو آزاد کرانے میں کامیاب ہوگیا، وہاں کا بادشاہ بن گیا۔ یہ یمن عرب کا علاقہ تھا، جب اس پر حبشیوں نے قبضہ کیا تھا تو عربوں کو بہت افسوس ہوا۔ 70 سال بعد جب یمن کے لوگوں نے حبشیوں کو نکال باہر کیا تو عربوں کو بہت خوشی ہوئی۔ ان کی خوشی کی ایک وجہ یہ تھی کہ انہی حبشیوں نے ابرہہ کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ چاروں طرف سے عربوں کے وفد سیف کو مبارک باد دینے کے لیے آنے لگے۔

قریش کا بھی ایک وفد مبارک دینے کے لیے گیا۔ اس وفد کے سردار عبدالمطلب تھے۔ یہ وفد جب یمن پہنچا تو سیف اپنے محل میں تھا۔ اس کے سر پر تاج تھا، تلوار سامنے رکھی تھی اور حمیری سردار اس کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ سیف کو قریش کے وفد کی آمد کے بارے میں بتایا گیا، اسے یہ بھی بتایا گیا کہ یہ لوگ کس رتبے کے ہیں۔ اس نے ان لوگوں کو آنے کی اجازت دے دی۔ یہ وفد دربار میں پہنچا۔ عبدالمطلب آگے بڑھ کر اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ انہوں نے بات کرنے کی اجازت چاہی، سیف نے کہا:
''اگر تم بادشاہوں کے سامنے بولنے کے آداب سے واقف ہو تو ہماری طرف سے

اجازت ہے۔"

تب عبدالمطلب نے کہا:

"اے بادشاہ! ہم کعبہ کے خادم ہیں، اللہ کے گھر کے محافظ ہیں، ہم آپ کو مبارک باد دینے آئے ہیں۔ یمن پر حبشی حکومت ہمارے لیے بھی ایک بوجھ بنو ہوئی تھی۔ آپ کو مبارک ہو، آپ کے اس کارنامے سے آپ کے بزرگوں کو بھی عزت ملے گی اور آنے والی نسلوں کو بھی وقار حاصل ہوگا۔"

سیف ان کے الفاظ سن کر بہت خوش ہوا، بے اختیار بول اٹھا:

"اے شخص! تم کون ہو۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

انہوں نے کہا:

"میرا نام عبدالمطلب بن ہاشم ہے۔"

سیف نے ہاشم کا نام سن کر کہا:

"تب تو تم ہماری بہن کے لڑکے ہو۔"

عبدالمطلب کی والدہ مدینہ کے قبیلے خزرج کی تھیں اور خزرج کا قبیلہ دراصل یمن کا تھا۔ اس لیے سیف نے ہاشم کا نام سن کر کہا، تب تو تم ہماری بہن کے لڑکے ہو۔ پھر اس نے کہا:

"ہم آپ سب کو خوش آمدید کہتے ہیں، آپ کے جذبات کی قدر کرتے ہیں۔"

اس کے بعد قریش کے وفد کو سرکاری مہمان خانے میں ٹھہرا دیا گیا۔ ان کی خوب خاطر مدارت کی گئی... یہاں تک کہ ایک ماہ گزر گیا۔ ایک ماہ کی مہمان نوازی کے بعد سیف نے انہیں بلایا۔ عبدالمطلب کو اپنے پاس بلا کر اس نے کہا:

"اے عبدالمطلب! میں اپنے علم کے پوشیدہ رازوں میں سے ایک راز تمہیں بتا رہا ہوں، تمہارے علاوہ کوئی اور ہوتا تو میں ہرگز نہ بتاتا، تم اس راز کو اس وقت تک راز ہی رکھنا جب تک کہ خود اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر نہ فرما دے۔ ہمارے پاس ایک پوشیدہ کتاب ہے، وہ پوشیدہ رازوں کا ایک خزانہ ہے۔ ہم دوسروں سے اس کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ میں نے اس

کتاب میں ایک بہت عظیم الشان خبر اور ایک بڑے خطرے کے بارے میں پڑھ لیا ہے... اور وہ آپ کے بارے میں ہے۔''

عبدالمطلب یہ باتیں سن کر حد درجے حیرت زدہ ہوئے اور پکار اٹھے:

''میں سمجھا نہیں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

''سنو عبدالمطلب! جب تہامہ کی وادی یعنی مکہ میں ایسا بچہ پیدا ہو جس کے دونوں کندھوں کے درمیان بالوں کا گچھا (یعنی مہر نبوت) ہو تو اسے امامت اور سرداری حاصل ہوگی اور اس کی وجہ سے تمہیں قیامت تک کے لیے اعزاز ملے گا، عزت ملے گی۔''

عبدالمطلب نے یہ سن کر کہا:

''اے بادشاہ! اللہ کرے آپ کو بھی ایسی خوش بختی میسر آئے، آپ کی ہیبت مجھے روک رہی ہے، ورنہ میں آپ سے پوچھتا کہ اس بچے کا زمانہ کب ہوگا۔''

بادشاہ نے جواب میں کہا:

''یہی اس کا زمانہ ہے۔ وہ اسی زمانے میں پیدا ہوگا یا پیدا ہو چکا ہے، اس کا نام محمد ہوگا۔ اس کی والدہ کا انتقال ہو جائے گا، اس کے دادا اور چچا اس کی پرورش کریں گے۔ ہم بھی اس کے آرزو مند رہے کہ وہ بچہ ہمارے ہاں پیدا ہو، اللہ تعالیٰ اسے کھلے عام ظاہر فرمائے گا اور اس کے لیے ہم میں سے (یعنی مدینہ کے قبیلہ خزرج میں) اس نبی کے مددگار بنائے گا (ہم میں سے اس نے اس لیے کہا کہ خزرج اصل میں یمن کے لوگ تھے)۔ ان کے ذریعے اس نبی کے خاندان اور قبیلے والوں کو عزت حاصل ہوگی اور ان کے ذریعے اس کے دشمنوں کو ذلت ملے گی اور ان کے ذریعے وہ تمام لوگوں سے مقابلہ کرے گا اور ان کے ذریعے زمین کے اہم علاقے فتح ہو جائیں گے۔ وہ نبی رحمٰن کی عبادت کرے گا، شیطان کو دھتکائے گا۔ آتش کدوں کو ٹھنڈا کرے گا (یعنی آگ کے پجاریوں کو مٹائے گا) بتوں کو توڑ ڈالے گا، اس کی ہر بات آخری فرمان ہوگی، اس کے احکامات انصاف والے ہوں گے، وہ نیک کاموں کا حکم دے گا، خود بھی ان پر عمل کرے گا، برائیوں سے روکے گا، ان کو

مٹا ڈالے گا۔''

عبدالمطلب نے سیف بن یزن کو دعا دی۔ پھر کہا:

''کچھ اور تفصیل بیان کریں۔''

''بات ڈھکی چھپی ہے اور علامتیں پوشیدہ ہیں مگر اے عبدالمطلب اس میں شبہ نہیں کہ تم اس کے دادا ہو۔''

عبدالمطلب یہ سن کر فوراً سجدے میں گر گئے اور پھر سیف نے ان سے کہا:

''اپنا سر اٹھاؤ، اپنی پیشانی اونچی کرو اور مجھے بتاؤ، جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے، کیا تم نے ان میں سے کوئی علامت اپنے ہاں دیکھی ہے؟''

اس پر عبدالمطلب نے کہا:

''ہاں! میرا ایک بیٹا تھا۔ میں اسے بہت چاہتا تھا۔ میں نے ایک شریف اور معزز لڑکی آمنہ بنت وہب عبدمناف سے اس کی شادی کر دی۔ وہ میری قوم کے انتہائی باعزت خاندان سے تھی۔ اس سے میرے بیٹے کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، میں نے اس کا نام محمد رکھا۔ اس بچے کا باپ اور ماں دونوں فوت ہو چکے ہیں۔ اب میں اور اس کا چچا ابوطالب اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔''

اب سیف نے ان سے کہا:

''میں نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے، وہ واقعہ اسی طرح ہے۔ اب تم اپنے پوتے کی حفاظت کرو۔ اسے یہودیوں سے بچائے رکھو، اس لیے کہ وہ اس کے دشمن ہیں، یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ان لوگوں کو ان پر قابو نہیں پانے دے گا اور میں نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے، اس کا اپنے قبیلے والوں سے ذکر نہ کرنا، مجھے ڈر ہے، ان باتوں کی وجہ سے ان لوگوں میں حسد اور جلن نہ پیدا ہو جائے... یہ لوگ سوچ سکتے ہیں، یہ عزت اور بلندی آخر انہیں کیوں ملنے والی ہے، یہ لوگ ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کریں گے، اگر یہ لوگ اس وقت تک زندہ نہ رہے تو ان کی اولادیں یہ کام کریں گی، اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ اس نبی کے

ظہور سے پہلے ہی موت مجھے آ لے گی تو میں اپنے اونٹوں اور قافلے کے ساتھ روانہ ہوتا اور ان کی سلطنت کے مرکز یثرب پہنچتا، کیونکہ میں اس کتاب میں یہ بات پاتا ہوں کہ شہر یثرب ان کی سلطنت کا مرکز ہوگا، ان کی طاقت کا سرچشمہ ہوگا، ان کی مدد اور نصرت کا ٹھکانا ہوگا اور ان کی وفات کی جگہ ہوگی اور انہیں دفن بھی یہیں کیا جائے گا اور ہماری کتاب پچھلے علوم سے بھری پڑی ہے۔ مجھے پتا ہے، اگر میں اس وقت ان کی عظمت کا اعلان کروں تو خود ان کے لیے اور میرے لیے خطرات پیدا ہو جائیں گے، یہ ڈر نہ ہوتا تو میں اسی وقت ان کے بارے میں یہ تمام باتیں سب کو بتا دیتا۔ عربوں کے سامنے ان کی سربلندی اور اونچے رتبے کی داستانیں سنا دیتا، لیکن میں نے یہ راز تمہیں بتایا ہے... تمہارے ساتھیوں میں سے بھی کسی کو نہیں بتایا۔"

اس کے بعد اس نے عبدالمطلب کے ساتھیوں کو بلایا۔ ان میں سے ہر ایک کو دس حبشی غلام، دس حبشی باندیاں اور دھاری دار یمنی چادریں، بڑی مقدار میں سونا اور چاندی، سو سو اونٹ اور عنبر کے بھرے ڈبے دیے۔ پھر عبدالمطلب کو اس سے دس گنا زیادہ دیا اور بولا:

"سال گزرنے پر میرے پاس ان کی خبر لے کر آنا اور ان کے حالات بتانا۔"

سال گزرنے سے پہلے ہی اس بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔

عبدالمطلب اکثر اس بادشاہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ آپ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔ اس طرح ایک عظیم سرپرست کا ساتھ چھوٹ گیا۔ اس وقت عبدالمطلب کی عمر 95 سال تھی۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں ان کی عمر اس سے زیادہ بھی لکھی ہے۔

جس وقت عبدالمطلب کا انتقال ہوا، آپ ان کی چارپائی کے پاس موجود تھے، آپ رونے لگے۔ عبدالمطلب کو حجون کے مقام پر ان کے دادا قُصیٰ کے پاس دفن کیا گیا۔

مرنے سے پہلے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹے ابو طالب کے حوالے کیا۔ اب ابو طالب آپ کے نگران ہوئے۔ انہیں بھی آپ سے بے تحاشا محبت ہو گئی۔

ان کے بھائی عباس اور زبیر بھی آپ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ پھر زبیر بھی انتقال کر گئے تو آپ کی نگرانی آپ کے چچا ابو طالب ہی کرتے رہے۔

انہیں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔ جب انہوں نے آپ کی برکات دیکھیں، معجزے دیکھے تو ان کی محبت میں اور اضافہ ہوگیا۔ یہ مالی اعتبار سے کمزور تھے۔ دو وقت سارے گھرانے کو پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا تھا، لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ کھاتے تو تھوڑا کھانا بھی ان سب کے لیے کافی ہو جاتا، سب کے پیٹ بھر جاتے۔ اسی لیے جب دوپہر یا رات کے کھانے کا وقت ہوتا اور سب دستر خوان پر بیٹھتے تو ابو طالب ان سے کہتے:

''ابھی کھانا شروع نہ کرو، میرا بیٹا آ جائے، پھر شروع کرنا۔''

پھر آپ تشریف لے آتے، اور ان کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ آپ کی برکت اس طرح ظاہر ہوتی کہ سب کے سیر ہو جانے کے بعد بھی کھانا بچ جاتا، اگر دودھ ہوتا تو پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے کے لیے دیا جاتا، پھر ابو طالب کے بیٹے پیتے، یہاں تک کہ ایک ہی پیالے سے سب کے سب دودھ پی لیتے، خوب سیر ہو جاتے اور دودھ پھر بھی بچ جاتا۔ ابو طالب کے لیے ایک تکیہ رکھا رہتا تھا، وہ اس سے ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو آ کر سیدھے اس تکیے کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ یہ دیکھ کر ابو طالب کہتے:

''میرے بیٹے کو اپنے بلند مرتبے کا احساس ہے۔''

ایک بار مکہ میں قحط پڑ گیا، بارش بالکل نہ ہوئی، لوگ ایک دوسرے سے کہتے تھے، لات اور عزیٰ سے بارش کی دعا کرو، کچھ کہتے تھے، تیسرے بڑے بت منات پر بھروسہ کرو۔ اسی دوران ایک بوڑھے نے کہا:

''تم حق اور سچائی سے بھاگ رہے ہو، تم میں ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی نشانی موجود ہے، تم اسے چھوڑ کر غلط راستے پر کیوں جا رہے ہو۔''

اس پر لوگوں نے اس سے کہا:

''کیا آپ کی مراد ابو طالب سے ہے۔''

اس نے جواب میں کہا:

''ہاں! میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔''

اب سب لوگ ابو طالب کے گھر کی طرف چلے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دروازے پر دستک دی تو ایک خوب صورت آدمی باہر آیا۔ اس نے تہبند لپیٹ رکھا تھا۔ سب لوگ اس کی طرف بڑھے اور بولے:

''اے ابو طالب! وادی میں قحط پڑا ہے، بچے بھوکے مر رہے ہیں، اس لیے آؤ اور ہمارے لیے بارش کی دعا کرو۔''

چنانچہ ابو طالب باہر آئے۔ ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ آپ ایسے لگ رہے تھے جیسے اندھیرے میں سورج نکل آیا ہو۔ ابو طالب کے ساتھ اور بھی بچے تھے، لیکن انہوں نے آپ ہی کا بازو پکڑا ہوا تھا۔ اس کے بعد ابو طالب نے آپ کی انگلی پکڑ کر کعبے کا طواف کیا، یہ طواف کر رہے تھے اور دوسرے لوگ آسمان کی طرف نظر اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔ جہاں بادل کا ایک بھی ٹکڑا نہیں تھا، لیکن پھر اچانک ہر طرف سے بادل گھر گھر کر آنے لگے۔ اس قدر زوردار بارش ہوئی کہ شہر اور جنگل سیراب ہو گئے۔

ابو طالب ایک بار ذی المجاز کے میلے میں گئے۔ یہ جگہ عرفات سے تقریباً 8 کلومیٹر دور ہے۔ ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ ایسے میں ابو طالب کو پیاس محسوس ہوئی۔ انہوں نے آپ سے کہا:

''بھتیجے! مجھے پیاس لگی ہے۔''

یہ بات انہوں نے اس لیے نہیں کہی تھی کہ آپ کے پاس پانی تھا... بلکہ اپنی بے چینی ظاہر کرنے کے لیے کہی تھی۔ چچا کی بات سن کر آپ فوراً سواری سے اتر آئے اور بولے:

''چچا جان! آپ کو پیاس لگی ہے۔''

انہوں نے کہا:

''ہاں، بھتیجے! پیاس لگی ہے۔''

یہ سنتے ہی آپ نے ایک پتھر پر اپنا پاؤں مارا۔

☆☆☆

شام کا سفر

جونہی آپ نے پتھر پر پاؤں مارا، اس کے نیچے سے صاف اور عمدہ پانی پھوٹ نکلا، انہوں نے ایسا پانی پہلے کبھی نہیں پیا تھا۔ خوب سیر ہو کر پیا۔ پھر انہوں نے پوچھا:

''بھتیجے! کیا آپ سیر ہو چکے؟''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں!''

آپ نے اسی جگہ اپنی ایڑی پھر ماری اور وہ جگہ دوبارہ ایسی خشک ہو گئی جیسی پہلے تھی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چند سال اپنے دوسرے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ بھی رہے تھے۔ اس زمانے میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان چچا کے ساتھ ایک قافلے میں یمن تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک وادی سے گزر ہوا۔ اس وادی میں ایک سرکش اونٹ رہتا تھا۔ گزرنے والوں کا راستہ روک لیتا تھا مگر جونہی اس نے نبی کریم کو دیکھا تو فوراً بیٹھ گیا اور زمین سے اپنی چھاتی رگڑنے لگا۔ آپ اپنے اونٹ سے اتر کر اس پر سوار ہو گئے، اب وہ اونٹ آپ کو لے کر چلا اور وادی کے پار تک لے گیا۔ اس کے بعد آپ نے اس اونٹ کو چھوڑ دیا۔

یہ قافلہ جب سفر سے واپس لوٹا تو ایک ایسی وادی سے اس کا گزر ہوا جو طوفانی پانی سے

بھری ہوئی تھی، پانی موجیں مار رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے قافلے والوں سے فرمایا:

''میرے پیچھے پیچھے آؤ۔''

پھر آپ اطمینان سے وادی میں داخل ہو گئے، باقی لوگ بھی آپ کے پیچھے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پانی خشک کر دیا اور آپ پورے قافلے کو لیے پار ہو گئے۔ قافلہ مکہ پہنچا تو لوگوں نے یہ حیرت ناک واقعات بیان کیے۔ لوگ سن کر بول اٹھے:

''اس لڑکے کی تو کچھ شان ہی نرالی ہے۔''

ابن ہشام لکھتے ہیں، بنولہب کا ایک شخص بہت بڑا قیافہ شناس تھا یعنی لوگوں کی شکل و صورت دیکھ کر ان کے حالات اور مستقبل کے بارے میں اندازے لگایا کرتا تھا۔ مکہ آتا تو لوگ اپنے بچوں کو اس کے پاس لاتے، وہ انہیں دیکھ دیکھ کر ان کے بارے میں بتاتا تھا۔ ایک بار یہ آیا تو ابو طالب آپ کو بھی اس کے پاس لے گئے اور اس وقت آپ ابھی نوعمر لڑکے ہی تھے۔ قیافہ شناس نے آپ کو ایک نظر دیکھا، پھر دوسرے بچوں کو دیکھنے لگا۔ فارغ ہونے کے بعد اس نے کہا:

''اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ۔''

ابو طالب نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ قیافہ شناس نے ان کے بھتیجے کو عجیب نظروں سے دیکھا ہے، لہٰذا وہ آپ کو لے کر وہاں سے نکل آئے تھے۔ جب قیافہ شناس کو معلوم ہوا کہ آپ وہاں موجود نہیں ہیں تو وہ چیخنے لگا:

''تمہارا بُرا ہو، اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ جسے میں نے ابھی دیکھا ہے، اللہ کی قسم! وہ بڑی شان والا ہے۔''

ابو طالب نے نکلتے ہوئے اس کے یہ الفاظ سن لیے تھے۔

☆

ابو طالب نے تجارت کی غرض سے شام جانے کا ارادہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ساتھ جانے کا شوق ظاہر فرمایا، بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ نے جانے کے

لیے خاص طور پر فرمائش کی۔ ابوطالب نے آپ کا شوق دیکھ کر کہا:

''اللہ کی قسم! میں اسے ساتھ ضرور لے جاؤں گا، نہ یہ کبھی مجھ سے جدا ہو سکتا ہے، نہ میں اسے کبھی اپنے سے جدا کر سکتا ہوں۔''

ایک روایت میں یوں آیا ہے، آپ نے ابوطالب کی اونٹنی کی لگام پکڑ لی اور فرمایا:

''چچا جان! آپ مجھے کس کے پاس چھوڑے جا رہے ہیں؟ میری نہ ماں ہے نہ باپ۔''

اس وقت آپ کی عمر مبارک نو سال تھی۔ آخر ابوطالب آپ کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ آپ کو اپنی اونٹنی پر بٹھایا۔ راستے میں عیسائیوں کی ایک عبادت گاہ کے پاس ٹھہرے۔ خانقاہ کے راہب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو چونک اٹھا۔ اس نے ابو طالب سے پوچھا:

''یہ لڑکا تمہارا کون ہے؟''

انہوں نے جواب دیا:

''میرا بیٹا ہے۔''

یہ سن کر راہب نے کہا:

''یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا۔''

یہ سن کر ابوطالب بہت حیران ہوئے، بولے:

''کیا مطلب... یہ کیوں میرا بیٹا نہیں ہو سکتا بھلا؟''

اس نے کہا:

''یہ ممکن نہیں کہ اس لڑکے کا باپ زندہ ہو، یہ نبی ہے۔''

مطلب یہ تھا کہ ان میں جو نشانیاں ہیں، وہ دنیا کے آخری نبی کی ہیں اور ان کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ یتیم ہوں گے... ان کے باپ کا انتقال اسی زمانے میں ہو جائے گا جب کہ وہ ابھی پیدا ہونے والے ہوں گے۔ اس لڑکے میں آنے والے نبی کی تمام علامات

موجود ہیں۔ان کی ایک نشانی یہ ہے کہ بچپن میں ان کی والدہ کا بھی انتقال ہو جائے گا۔

اب ابو طالب نے اس راہب سے پوچھا:

''نبی کیا ہوتا ہے؟''

راہب نے کہا:

''نبی وہ ہوتا ہے جس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں اور پھر وہ زمین والوں کو ان کی اطلاع دیتا ہے... تم یہودیوں سے اس لڑکے کی حفاظت کرنا۔''

اس کے بعد ابو طالب وہاں سے آگے روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک اور راہب کے پاس ٹھہرے۔ یہ بھی ایک خانقاہ کا عابد تھا۔اس کی نظر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو یہی پوچھا:

''یہ لڑکا تمہارا کیا لگتا ہے۔''

ابو طالب نے اس سے بھی یہی کہا:

''یہ میرا بیٹا ہے۔''

راہب یہ سن کر بولا:

''یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا، اس کا باپ زندہ ہو ہی نہیں سکتا۔''

ابو طالب نے پوچھا:

''وہ کیوں...؟''

راہب نے جواب میں کہا:

''اس لیے کہ اس کا چہرہ نبی کا چہرہ ہے۔اس کی آنکھیں ایک نبی کی آنکھیں ہیں یعنی اس نبی جیسی جو آخری امت کے لیے بھیجے جانے والے ہیں، ان کی علامات پرانی آسمانی کتابوں میں موجود ہیں۔''

اس کے بعد یہ قافلہ روانہ ہو کر بصریٰ پہنچا۔ یہاں بحیرا نام کا ایک راہب اپنی خانقاہ میں رہتا تھا۔اس کا اصل نام جرجیس تھا، بحیرا اس کا لقب تھا۔ وہ بہت زبردست عالم تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے اس خانقاہ کا راہب، نسل در نسل یہ عالم فاضل خاندان ہی چلا آ رہا تھا۔ اس طرح اس زمانے میں ان کا سب سے بڑا عالم بحیرا ہی تھا۔

قریش کے لوگ اکثر بحیرا کے پاس سے گزرا کرتے تھے، مگر اس نے کبھی ان سے کوئی بات نہیں کی تھی، مگر اس بار اس نے قافلے میں آپ کو دیکھ لیا تو پورے قافلے کے لیے کھانا تیار کروایا۔

بحیرا نے یہ منظر بھی دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بدلی سایہ کیے ہوئے تھی۔ جب یہ قافلہ ایک درخت کے نیچے آ کر ٹھہرا تو اس نے بدلی کی طرف دیکھا، وہ اب اس درخت پر سایہ ڈال رہی تھی اور اس درخت کی شاخیں اس طرف جھک گئی تھیں جدھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ اس نے دیکھا، بہت سی شاخوں نے آپ کے اوپر جمگھٹا سا کر لیا تھا۔ اصل میں ہوا یہ تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس درخت کے پاس پہنچے تو قافلے کے لوگ پہلے ہی سایہ دار جگہ پر قبضہ کر چکے تھے۔ اب آپ کے لیے کوئی سایہ دار جگہ نہیں بچی تھی، چنانچہ آپ جب دھوپ میں بیٹھے تو شاخوں نے اپنا رخ تبدیل کر لیا اور آپ کے اوپر جمع ہو گئیں۔ اس طرح آپ مکمل طور پر سائے میں ہو گئے۔ بحیرا نے یہ منظر صاف دیکھا تھا۔ آپ کی یہ نشانی دیکھ کر اس نے قافلے والوں کو پیغام بھجوایا۔

''اے قریشیو! میں نے آپ لوگوں کے لیے کھانا تیار کروایا ہے، میری خواہش ہے کہ آپ تمام لوگ کھانا کھانے آئیں یعنی بچے بوڑھے اور غلام سب آئیں۔''

بحیرا کا یہ پیغام سن کر قافلے میں سے ایک نے کہا:

''اے بحیرا... آج تو آپ نیا کام کر رہے ہیں، ہم تو اکثر اس راستے سے گزرتے ہیں، آپ نے کبھی دعوت کا انتظام نہیں کیا، پھر آج کیا بات ہے۔''

بحیرا نے انہیں صرف اتنا جواب دیا:

''تم نے ٹھیک کہا، لیکن بس آپ لوگ مہمان ہیں اور مہمان کا اکرام کرنا بہت اچھی بات ہے۔''

اس طرح تمام لوگ بحیرا کے پاس پہنچ گئے... لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نہیں تھے۔ انہیں پڑاؤ ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

☆☆☆

یہ تمہارا بیٹا نہیں

آپ کو قافلے کے ساتھ اس لیے نہیں لے جایا گیا تھا کہ آپ کم عمر تھے۔ آپ وہیں درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ ادھر بحیرا نے لوگوں کو دیکھا اور ان میں سے کسی میں اسے وہ صفت نظر نہ آئی جو آخری نبی کے بارے میں اسے معلوم تھی، نہ ان میں سے کسی پر وہ بدلی نظر آئی، بلکہ اس نے عجیب بات دیکھی کہ وہ بدلی وہیں، پڑاؤ کی جگہ پر ہی رہ گئی تھی۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا، بدلی وہیں ہے، جہاں اللہ کے رسول ہیں، تب اس نے کہا:

''اے قریش کے لوگو! میری دعوت سے آپ میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔''

اس پر قریش نے کہا:

''اے بحیرا! جن لوگوں کو آپ کی اس دعوت میں لانا ضروری تھا، ان میں سے تو کوئی رہا نہیں... ہاں ایک لڑکا رہ گیا ہے جو سب سے کم عمر ہے۔''

بحیرا بولا:

''تب پھر مہربانی فرما کر اسے بھی بلا لیں، یہ کس قدر بری بات ہے کہ آپ سب آئیں اور آپ میں سے ایک رہ جائے اور میں نے اسے آپ لوگوں کے ساتھ دیکھا تھا۔''

تب ایک شخص گیا اور آپ کو ساتھ لے کر بحیرا کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت وہ بدلی

آپ کے ساتھ ساتھ چلی اور تمام راستے اس نے آپ پر سایہ کیے رکھا۔ بحیرا نے یہ منظر صاف دیکھا، وہ اب آپ کو اور زیادہ غور سے دیکھ رہا تھا اور آپ کے جسم مبارک میں وہ علامات تلاش کر رہا تھا جو ان کی کتب میں درج تھیں۔

جب لوگ کھانا کھا چکے اور ادھر ادھر ہو گئے، تب بحیرا آپ کے پاس آیا اور بولا:

''میں لات اور عزیٰ کے نام پر آپ سے چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں، جو میں پوچھوں، آپ مجھے بتائیں۔''

اس کی بات سن کر آپ نے فرمایا:

''لات اور عزیٰ (بتوں کے نام) کے نام پر مجھ سے کچھ نہ پوچھو، اللہ کی قسم! مجھے سب سے زیادہ نفرت انہی سے ہے۔''

اب بحیرا بولا:

''اچھا تو پھر اللہ کے نام پر بتائیں جو میں پوچھنا چاہتا ہوں۔''

تو آپ نے فرمایا:

''پوچھو! کیا پوچھنا ہے۔''

اس نے بہت سے سوالات کیے۔ آپ کی عادات کے بارے میں پوچھا، اس کے بعد اس نے آپ کی کمر پر سے کپڑا ہٹا کر مہر نبوت کو دیکھا، وہ بالکل ایسی ہی تھی جیسا کہ اس نے اپنی کتابوں میں پڑھا تھا۔ اس نے فوراً مہر نبوت کی جگہ کو بوسہ دیا۔ قریش کے لوگ یہ سب دیکھ رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے۔ آخر لوگ کہے بغیر نہ رہ سکے:

''یہ راہب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بہت دلچسپی لے رہا ہے... شاید اس کے نزدیک ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔''

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کرنے کے بعد بحیرا ابو طالب کی طرف آیا اور بولا:

''یہ لڑکا تمھارا کیا لگتا ہے۔''

ابوطالب نے کہا:

"یہ میرا بیٹا ہے۔"

اس پر بحیرا نے کہا:

"نہیں! یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا، یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا باپ زندہ ہو۔"

ابوطالب کو یہ سن کر حیرت ہوئی، پھر انہوں نے کہا:

"دراصل یہ میرے بھائی بیٹا کا ہے۔"

"ان کا باپ کہاں ہے؟"

"وہ فوت ہو چکا ہے، اس کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب یہ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔"

یہ سن کر بحیرا بول اُٹھا:

"ہاں! یہ بات صحیح ہے اور ان کی والدہ کا کیا ہوا؟"

"ان کا ابھی تھوڑے عرصہ ہی پہلے انتقال ہوا ہے۔"

یہ سنتے ہی بحیرا نے کہا:

"بالکل ٹھیک کہا... اب تم یوں کرو کہ اپنے بھتیجے کو واپس وطن لے جاؤ، یہودیوں سے ان کی پوری طرح حفاظت کرو، اگر انہوں نے انہیں دیکھ لیا اور ان میں وہ نشانیاں دیکھ لیں جو میں نے دیکھی ہیں تو وہ انہیں قتل کرنے کی کوشش کریں گے، تمہارا یہ بھتیجا نبی ہے، اس کی بہت شان ہے، ان کی شان کے بارے میں ہم اپنی کتابوں میں بھی لکھا ہوا پاتے ہیں اور ہم نے اپنے باپ داداؤں سے بھی بہت کچھ سن رکھا ہے، میں نے یہ نصیحت کر کے اپنا فرض پورا کر دیا ہے اور انہیں واپس لے جانا تمہاری ذمہ داری ہے۔"

ابوطالب بحیرا کی باتیں سن کر خوف زدہ ہو گئے۔ آپ کو لے کر مکہ واپس آ گئے۔ اس واقعے کے وقت آپ کی عمر نو سال تھی۔

اس عمر کے لڑکے عام طور پر کھیل کود میں ضرور حصہ لیتے ہیں، ان کھیلوں میں خراب اور گندے کھیل بھی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سلسلے میں بھی بالکل محفوظ رکھا۔

جاہلیت کے زمانے میں عرب جن برائیوں میں جکڑے ہوئے تھے، ان برائیوں سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ ایک واقعہ آپ نے خود بیان فرمایا:

''ایک قریشی لڑکا مکہ کے بالائی حصے میں اپنی بکریاں لیے، میرے ساتھ تھا۔ میں نے اس سے کہا:

''تم ذرا میری بکریوں کا دھیان رکھو تاکہ میں قصہ گوئی کی مجلس میں شریک ہوسکوں، وہاں سب لڑکے جاتے ہیں۔''

اس لڑکے نے کہا، اچھا۔ اس کے بعد میں روانہ ہوا۔ میں مکہ کے ایک مکان میں داخل ہوا تو مجھے گانے اور باجے کی آواز سنائی دی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا، یہ کیا ہورہا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ ایک قریشی کی فلاں شخص کی بیٹی سے شادی ہورہی ہے۔ میں نے اس طرف توجہ دی ہی تھی کہ میری آنکھیں نیند سے جھکنے لگیں، یہاں تک کہ میں سوگیا۔ پھر میری آنکھ اس وقت کھلی جب دھوپ مجھ پر پڑی۔''

آپ واپس اس لڑکے کے پاس پہنچے۔ اس نے پوچھا، تم نے وہاں جاکر کیا کیا، میں نے اسے واقعہ سنادیا۔ دوسری رات پھر ایسا ہی ہوا۔''

مطلب یہ کہ قریش کی لغو مجلسوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔

قریش کے ایک بت کا نام بوانہ تھا۔ قریش ہر سال اس کے پاس حاضری دیا کرتے تھے۔ اس کی بے حد عزت کرتے تھے۔ اس کے پاس قربانی کے جانور ذبح کرتے، سر منڈاتے، سارا دن اس کے پاس اعتکاف کرتے۔ ابو طالب بھی اپنی قوم کے ساتھ اس بت کے پاس حاضری دیتے، اس موقع کو قریش عید کی طرح مناتے تھے۔ ابو طالب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''بھتیجے! آپ بھی ہمارے ساتھ عید میں شریک ہوں۔''

آپ نے انکار فرمادیا۔ ابو طالب ہر سال آپ کو شریک ہونے کے لیے کہتے رہے، لیکن آپ ہر بار انکار ہی کرتے رہے۔ آخر ایک بار ابو طالب کو غصہ آگیا۔ آپ کی

پھوپھیوں کو بھی آپ پر بے تحاشا غصہ آیا، وہ آپ سے بولیں:

''تم ہمارے معبودوں سے اس طرح بچتے ہو اور پرہیز کرتے ہو، ہمیں ڈر ہے کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔''

انہوں نے یہ بھی کہا:

''محمد! آخر تم عید میں کیوں شریک نہیں ہوتے۔''

ان کی باتوں سے تنگ آ کر آپ ان کے پاس سے اٹھ کر کہیں دور چلے گئے۔ اس بارے میں آپ فرماتے ہیں:

''میں جب بھی بوانہ یا کسی اور بت کے نزدیک ہوا، میرے سامنے ایک سفید رنگ کا بہت قد آور آدمی ظاہر ہوا، اس نے ہر بار مجھ سے یہی کہا:

''محمد! پیچھے ہٹو! اس کو چھونا نہیں۔''

☆☆☆

فجار کی جنگ

خانہ کعبہ میں تانبے کے بنے دو بت تھے۔ ان کے نام اساف اور نائلہ تھے۔ طواف کرتے وقت مشرک برکت حاصل کرنے کے لیے ان کو چھوا کرتے تھے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ جب میں طواف کے دوران ان بتوں کے پاس سے گزرا تو میں نے بھی ان کو چھوا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً فرمایا:

''ان کو ہاتھ مت لگاؤ۔''

اس کے بعد ہم طواف کرتے رہے، میں نے سوچا، ایک بار پھر بتوں کو چھونے کی کوشش کروں گا تاکہ پتا تو چلے، ان کو چھونے سے کیا ہوتا ہے اور آپ نے کس لیے مجھے روکا ہے، چنانچہ میں نے ان کو پھر چھولیا، تب آپ نے سخت لہجے میں فرمایا:

''کیا میں نے تمہیں ان کو چھونے سے منع نہیں کیا تھا۔''

اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی بت کو نہیں چھوا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرما دی اور آپ پر وحی نازل ہونے لگی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ حرام چیزوں سے بھی آپ کی حفاظت فرماتے تھے۔ مشرک بتوں کے نام پر جانور قربان کرتے تھے، پھر یہ گوشت تقسیم کر دیا جاتا تھا یا پکا کر کھلا دیا جاتا تھا،

لیکن آپ نے کبھی بھی ایسا گوشت نہ کھایا، خود آپ نے ایک بار ارشاد فرمایا:

''میں نے کبھی کوئی ایسی چیز نہیں چکھی جو بتوں کے نام پر ذبح کی گئی ہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت عطا کر دی۔''

اسی طرح آپ سے پوچھا گیا:

''کیا آپ نے بچپن میں کبھی بت پرستی کی؟''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''نہیں۔''

آپ سے پھر پوچھا گیا:

''آپ نے کبھی شراب پی؟''

جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

''نہیں! حالانکہ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ کتاب اللہ کیا ہے اور ایمان (کی تفصیل) کیا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بھی اس زمانے میں کچھ لوگ تھے جو جانوروں کے نام پر ذبح کیا گیا گوشت نہیں کھاتے تھے اور شراب کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔

☆

بچپن میں آپ نے بکریاں بھی چرائیں۔ آپ مکہ کے لوگوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ معاوضے کے طور پر آپ کو ایک سکہ دیا جاتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی بھیجے، ان سب نے بکریاں چرانے کا کام کیا۔ میں مکہ والوں کی بکریاں قراریط (سکہ) کے بدلے چرایا کرتا تھا۔''

مکہ والوں کی بکریوں کے ساتھ آپ اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کی بکریاں بھی چرایا کرتے تھے۔

پیغمبروں نے بکریاں کیوں چرائیں، اس کی وضاحت یوں بیان کی جاتی ہے:

''اس کام میں اللہ تعالیٰ کی زبردست حکمت ہے، بکری کمزور جانور ہے، لہٰذا جو شخص بکریاں چراتا ہے، اس میں قدرتی طور پر نرمی، محبت اور انکساری کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر کام اور پیشے کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں، مثلاً قصاب کے دل میں سختی ہوتی ہے، لوہار جفا کش ہوتا ہے، مالی نازک طبع ہوتا ہے۔ اب جو شخص بکریاں چراتا رہا، جب وہ مخلوق کی تربیت کا کام شروع کرے گا تو اس کی طبیعت میں سے گرمی اور سختی نکل چکی ہوتی ہے۔ مخلوق کی تربیت کے لیے وہ بہت نرم مزاج ہو چکا ہوتا ہے اور تبلیغ کے کام میں نرم مزاجی کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔''

☆

عربوں میں ایک شخص بدر بن معشر غفاری تھا۔ یہ عکاظ کے میلے میں بیٹھا کرتا تھا۔ لوگوں کے سامنے اپنی بہادری کے قصے سنایا کرتا تھا۔ اپنی بڑائیاں بیان کرتا تھا۔ ایک دن اس نے پیر پھیلا کر اور گردن اکڑا کر کہا:

''میں عربوں میں سے سب سے زیادہ عزت دار ہوں اور اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ وہ زیادہ عزت والا ہے تو تلوار کے زور پر یہ بات ثابت کر دکھائے۔''

اس کے یہ بڑے بول سن کر ایک شخص کو غصہ آ گیا۔ وہ اچانک اس پر جھپٹا اور اس کے گھٹنے پر تلوار دے ماری۔ اس کا گھٹنا کٹ گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گھٹنا صرف زخمی ہوا تھا۔ اس پر دونوں کے قبیلے آپس میں لڑ پڑے۔ ان میں جنگ شروع ہوگئی۔ اس لڑائی کو فجار کی پہلی لڑائی کہا جاتا ہے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 10 سال تھی۔

فجار کی ایک اور لڑائی بنو عامر کی ایک عورت کی وجہ سے ہوئی۔ اس میں بنو عامر بنو کنانہ سے لڑے، کیونکہ کنانہ کے ایک نوجوان نے اس قبیلے کی کسی عورت کو چھیڑا تھا۔

فجار کی تیسری لڑائی بھی بنو عامر اور بنو کنانہ کے درمیان ہوئی، یہ لڑائی قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں ہوئی۔

فجار کی ان تینوں لڑائیوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ البتہ فجار کی

چوتھی لڑائی میں آپ نے شرکت فرمائی تھی۔

عربوں کے ہاں چار مہینے ایسے تھے کہ ان میں کسی کا خون بہانا جائز نہیں تھا، یہ مہینے ذوالقعد، ذوالحج، محرم اور رجب تھے۔ یہ لڑائیاں چونکہ حرمت کے ان مہینوں میں ہوئیں، اس لیے ان کا نام فجار کی لڑائیاں رکھا گیا، فجار کا معنیٰ ہے گناہ، یعنی یہ لڑائیاں ان کا گناہ تھا۔

چوتھی لڑائی جس میں نبی کریم نے بھی حصہ لیا، اس کا نام فجار برّاض ہے، یہ لڑائی اس طرح شروع ہوئی:

قبیلہ بنوکنانہ کے برّاض نامی ایک شخص نے ایک آدمی عروہ کو قتل کر دیا۔ عروہ کا تعلق قبیلہ ہوازن سے تھا۔ یہ واقعہ حرمت والے مہینے میں پیش آیا۔ برّاض اور عروہ کے خاندان کے لوگ یعنی بنوکنانہ اور ہوازن اس وقت عکاظ کے میلے میں تھے۔ وہیں کسی نے بنوکنانہ کو یہ خبر پہنچادی کہ برّاض نے عروہ کو قتل کر دیا ہے۔

یہ خبر سن کر بنوکنانہ کے لوگ پریشان ہوئے کہ کہیں میلے ہی میں ہوازن کے لوگ ان پر حملہ نہ کر دیں، اس طرح بات بہت بڑھ جائے گی، چنانچہ وہ لوگ مکّہ کی طرف بھاگ نکلے۔ ہوازن کو اس وقت تک خبر نہیں ہوئی تھی۔ انہیں کچھ دن یا کچھ وقت گزرنے پر خبر ہوئی، یہ بنوکنانہ پر چڑھ دوڑے لیکن بنوکنانہ حرم میں پناہ لے چکے تھے۔ عربوں میں حرم کے اندر خون بہانا حرام تھا۔ اس لیے ہوازن رک گئے۔ اس دن لڑائی نہ ہوسکی لیکن دوسرے دن بنوکنانہ کے لوگ خود ہی مقابلے کے لیے باہر نکل آئے، ان کی مدد کرنے کے لیے قبیلہ قریش بھی میدان میں نکل آیا۔

اس طرح فجار کی یہ جنگ شروع ہوئی۔ یہ جنگ چار یا چھ دن تک جاری رہی، اب چونکہ قریش بھی اس جنگ میں شریک تھے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا آپ کو بھی ساتھ لے گئے مگر آپ نے جنگ کے سب دنوں میں لڑائی میں حصہ نہیں لیا البتہ جس دن آپ میدان جنگ میں پہنچ جاتے تو بنی کنانہ کو فتح ہونے لگتی اور جب آپ وہاں نہ پہنچتے تو انہیں شکست ہونے لگتی۔ آپ نے اس جنگ میں صرف اتنا حصہ لیا کہ اپنے چچاؤں کو تیر

پکڑاتے رہے اور بس۔

چھ دن کی جنگ کے بعد بھی کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر دونوں گروہوں میں صلح ہوگئی لیکن یہ کافی خون خرابے کے بعد ہوئی تھی۔

اس جنگ کے فوراً بعد حلف الفضول کا واقعہ پیش آیا۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ قبیلہ زبید کا ایک شخص اپنا کچھ مال لے کر مکہ آیا۔ اس سے یہ مال عاص بن وائل نے خرید لیا۔ یہ عاص بن وائل مکہ کے بڑے لوگوں میں سے تھا۔ اس کی بہت عزت تھی۔ اس نے مال تو لے لیا، لیکن قیمت ادا نہ کی، زبیدی اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کرتا رہا، لیکن عاص بن وائل نے رقم ادا نہ کی۔ اب یہ زبیدی شخص اپنی فریاد لے کر مختلف قبیلوں کے پاس گیا۔ ان سب کو بتایا کہ عاص بن وائل نے اس پر ظلم کیا ہے، لہٰذا اس کی رقم دلوائی جائے۔ اب چونکہ عاص مکہ کے بڑے لوگوں میں سے تھا، اس لیے ان سب لوگوں نے عاص کے خلاف اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا، الٹا اسے ڈانٹ ڈپٹ کر واپس بھیج دیا۔ جب زبیدی نے ان لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو دوسرے دن صبح سویرے وہ ابوقبیس نامی پہاڑی پر چڑھ گیا۔ قریش ابھی اپنے گھروں ہی میں تھے، اوپر چڑھ کر اس نے بلند آواز سے چند شعر پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے:

''اے فہر کی اولاد! ایک مظلوم کی مدد کرو، جو اپنے وطن سے دور ہے اور جس کی تمام پونجی اس وقت مکہ کے اندر ہی ہے۔''

اس زبیدی شخص کی یہ فریاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے سن لی۔ ان پر بہت اثر ہوا، انہوں نے عبداللہ بن جدعان کو ساتھ لیا اور اس آدمی کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر ان کے ساتھ بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو اسد کے لوگ بھی شامل ہوگئے۔ یہ سب عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے۔ یہاں ان سب کو کھانا کھلایا گیا۔ اس کے بعد ان سب سے خدا کے نام پر حلف لیا گیا۔ حلف کے الفاظ یہ تھے:

''ہم ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیتے رہیں گے اور اس کا حق اسے دلاتے رہیں گے۔''

اس حلف کا نام حلف الفضول رکھا گیا۔ اس عہد کے اور حلف کے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش کے ساتھ موجود تھے۔

☆☆☆

نسطورا کی ملاقات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عہد یعنی حلف الفضول کو بہت پسند فرمایا۔ آپ فرماتے تھے:

''میں اس عہد نامے میں شریک تھا۔ یہ عہد نامہ بنو جدعان کے مکان میں ہوا تھا۔ اگر کوئی مجھ سے کہے کہ اس عہد نامے سے دست بردار ہو جائیں اور اس کے بدلے میں سو اونٹ لے لیں تو میں نہیں لوں گا۔ اس عہد نامے کے نام پر اگر کوئی آج بھی مجھے آواز دے تو میں کہوں گا... میں حاضر ہوں۔''

آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اگر آج بھی کوئی مظلوم یہ کہہ کر آواز دے، اے حلف الفضول والو! تو میں اس کی فریاد کو ضرور پہنچوں گا۔ کیوں کہ اسلام تو آیا ہی اس لیے ہے کہ سچائی کا نام بلند کرے اور مظلوم کی مدد اور حمایت کرے۔

یہ حلف الفضول بعد میں بھی جاری رہا۔

مکہ میں آپ کی امانت اور دیانت کی وجہ سے آپ کو امین کہہ کر پکارا جانے لگا تھا۔ آپ کا یہ لقب بہت مشہور ہو گیا تھا۔ لوگ آپ کو امین کے علاوہ اور کسی نام سے نہیں پکارتے تھے۔

انہی دنوں ابوطالب نے آپ سے کہا:

''اے بھتیجے! میں ایک بہت غریب آدمی ہوں اور قحط سالی کی وجہ سے اور زیادہ سخت حالات کا سامنا ہے، کافی عرصہ سے خشک سالی کا دور چل رہا ہے، کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ اپنا کام چلاسکیں اور نہ ہماری کوئی تجارت ہے، ایک تجارتی قافلہ شام جانے والا ہے، اس میں قریش کے لوگ شامل ہیں... قریش کی ایک خاتون خدیجہ بنت خویلد شام کی طرف اپنا تجارتی سامان بھیجا کرتی ہیں، جو شخص ان کا مال لے کر جاتا ہے، وہ اپنی اجرت ان سے طے کرلیتا ہے، اب اگر تم ان کے پاس جاؤ اور ان کا مال لے جانے کی پیش کش کرو تو وہ ضرور اپنا مال تمہیں دے دیں گی، کیونکہ تمہاری امانت داری کی شہرت ان تک پہنچ چکی ہے، اگر چہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تم شام کے سفر پر جاؤ... یہودی تمہارے دشمن ہیں، لیکن حالات کی وجہ سے میں مجبور ہوں، اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں۔''

یہاں تک کہہ کر ابوطالب خاموش ہوگئے، تب آپ نے فرمایا:

''ممکن ہے، وہ خاتون خود میرے پاس کسی کو بھیجیں۔''

یہ بات آپ نے اس لیے کہی تھی کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایک بااعتماد آدمی کی ضرورت تھی اور اس وقت مکہ میں آپ سے زیادہ شریف، پاک باز، امانت دار، سمجھ دار اور قابل اعتماد آدمی کوئی نہیں تھا۔

ابوطالب اس وقت بہت پریشان تھے۔ آپ کی یہ بات سن کر انہوں نے کہا:

''اگر تم نہ گئے تو مجھے ڈر ہے، وہ کسی اور سے معاملہ طے کرلیں گی۔''

یہ کہہ کر ابوطالب اٹھ گئے۔ ادھر آپ کو یقین سا تھا کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا خود ان کی طرف کسی کو بھیجیں گی اور ہوا بھی یہی۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا، پھر آپ سے کہا:

''میں نے آپ کی سچائی، امانت داری اور نیک اخلاق کے بارے میں سنا ہے اور اسی وجہ سے میں نے آپ کو بلوایا ہے، جو معاوضہ آپ کی قوم کے دوسرے آدمیوں کو دیتی

ہوں، آپ کو ان سے دوگنا دوں گی۔''

آپ نے ان کی بات منظور فرمالی۔ پھر آپ اپنے چچا ابو طالب سے ملے، انہیں یہ بات بتائی۔ ابو طالب سن کر بولے:

''یہ روزی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پیدا فرمائی ہے۔''

اس کے بعد آپ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ آپ کے ساتھ تھے۔ روانگی کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میسرہ سے کہا:

''کسی معاملے میں ان کی نافرمانی نہ کرنا، جو یہ کہیں، وہی کرنا، ان کی رائے سے اختلاف نہ کرنا۔''

آپ کے سب چچاؤں نے قافلے والوں سے آپ کی خبر گیری رکھنے کی درخواست کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ذمے داری کے لحاظ سے یہ آپ کا پہلا تجارتی سفر تھا۔ گویا آپ اس کام میں بالکل نئے تھے۔

ادھر آپ روانہ ہوئے، ادھر آپ کا معجزہ شروع ہو گیا۔ ایک بدلی نے آپ کے اوپر سایہ کرلیا۔ آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ جب آپ شام پہنچے تو بصریٰ شہر کے بازار میں ایک درخت کے سائے میں اترے۔ یہ درخت ایک عیسائی راہب نسطورا کی خانقاہ کے سامنے تھا۔ اس راہب نے میسرہ کو دیکھا تو خانقاہ سے نکل آیا۔ اس وقت اس نے آپ کو دیکھا۔ آپ درخت کے نیچے ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس نے میسرہ سے پوچھا:

''یہ شخص کون ہے جو اس درخت کے نیچے موجود ہے؟''

میسرہ نے کہا:

''یہ ایک قریشی شخص ہیں۔ حرم والوں میں سے ہیں۔''

یہ سن کر راہب نے کہا:

''اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کبھی کوئی آدمی نہیں بیٹھا۔''

مطلب یہ تھا کہ اس درخت کے نیچے آج تک کوئی شخص نہیں بیٹھا، اللہ تعالیٰ نے اس درخت کو ہمیشہ اس سے بچایا ہے کہ اس کے نیچے نبی کے سوا کوئی دوسرا شخص بیٹھے۔

اس کے بعد اس نے میسرہ سے پوچھا:

''کیا ان کی آنکھوں میں سرخی ہے۔''

میسرہ نے جواب دیا:

''ہاں! بالکل ہے اور یہ سرخی ان کی آنکھوں میں مستقل رہتی ہے۔''

اب نسطورا نے کہا:

''یہ وہی ہیں۔''

میسرہ نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا اور بولے:

''کیا مطلب... یہ وہی ہیں... کون وہی؟''۔

''یہ آخری پیغمبر ہیں... کاش میں وہ زمانہ پا سکتا جب انہیں ظہور کا حکم ملے گا، یعنی جب انہیں نبوت ملے گی۔''

اس کے بعد وہ چپکے سے آپ کے پاس پہنچا، پہلے تو اس نے آپ کے سر کو بوسہ دیا پھر آپ کے قدموں کو بوسہ دیا... اور بولا:

''میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا ہے۔''

اس کے بعد نسطورا نے کہا:

''اے محمد! میں نے آپ میں وہ تمام نشانیاں دیکھ لی ہیں، جو پرانی کتابوں میں آپ کی نبوت کی علامتوں کے طور پر درج ہیں۔ صرف ایک نشانی باقی ہے، اس لیے آپ ذرا اپنے کندھے سے کپڑا اہٹائیں۔''

آپ نے اپنے شانۂ مبارک سے کپڑا اہٹا دیا۔ تب نسطورا نے وہاں مہر نبوت کو جگمگاتے دیکھا۔ وہ فوراً مہر نبوت کو چومنے کے لیے جھک گیا، پھر بولا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ آپ کے بارے میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے خوش خبری دی تھی اور انہوں نے کہا تھا:

''میرے بعد اس درخت کے نیچے کوئی نہیں بیٹھے گا، سوائے اس پیغمبر کے جو امی (یعنی ان پڑھ) ہاشمی، عربی اور مکی (یعنی مکہ کے رہنے والے) ہوں گے۔ قیامت میں حوضِ کوثر اور شفاعت والے ہوں گے۔''

☆

اس واقعے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بصریٰ کے بازار تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے وہ مال فروخت کیا جو ساتھ لائے تھے اور کچھ چیزیں خریدیں۔

اس خرید وفروخت کے دوران ایک شخص نے آپ سے کچھ جھگڑا کیا اور بولا:

''لات اور عزیٰ کی قسم کھاؤ۔''

آپ نے فرمایا:

''میں نے ان بتوں کے نام پر کبھی قسم نہیں کھائی۔''

آپ کا یہ جملہ سن کر وہ شخص چونک اُٹھا۔

☆☆☆

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

شاید وہ گزشتہ آسمانی کتب کا کوئی عالم تھا اور اس نے آپ کو پہچان لیا تھا، چنانچہ بولا:

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔''

اس کے بعد اس نے میسرہ سے علیحدگی میں ملاقات کی، کہنے لگا:

''میسرہ! یہ نبی ہیں، قسم ہے، اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ وہی ہیں جن کا ذکر ہمارے راہب اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔''

میسرہ نے اس کی اس بات کو ذہن نشین کرلیا۔ راستے میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دو اونٹ بہت زیادہ تھک گئے اور چلنے کے قابل نہ رہے، ان کی وجہ سے میسرہ قافلے سے پیچھے رہ گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قافلے کے اگلے حصے میں تھے۔ میسرہ ان اونٹوں کی وجہ سے پریشان ہوا تو دوڑتا ہوا اگلے حصے کی طرف آیا اور اپنی پریشانی کے بارے میں آپ کو بتایا۔ آپ اس کے ساتھ ان دونوں اونٹوں کے پاس تشریف لائے، ان کی کمر اور پچھلے حصے پر ہاتھ پھیرا۔ کچھ پڑھ کر دم کیا۔ آپ کا ایسا کرنا تھا کہ اونٹ اسی وقت ٹھیک ہو گئے اور اس قدر تیز چلے کہ قافلے کے اگلے حصے میں پہنچ گئے۔ اب وہ منہ سے آوازیں نکال رہے تھے اور چلنے میں جوش و خروش کا اظہار کر رہے تھے۔

پھر قافلے والوں نے اپنا مال فروخت کیا۔ اس بار انہیں اتنا نفع ہوا کہ پہلے کبھی نہیں ہوا

تھا، چنانچہ میسرہ نے آپ سے کہا:

''اے محمد! ہم سالہا سال سے سیدہ خدیجہ کے لیے تجارت کر رہے ہیں، مگر اتنا زبردست نفع ہمیں کبھی نہیں ہوا جتنا اس بار ہوا ہے۔''

آخر قافلہ واپس مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ میسرہ نے اس دوران صاف طور پر یہ بات دیکھی کہ جب گرمی کا وقت ہوتا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر ہوتے تھے تو دو فرشتے دھوپ سے بچانے کے لیے آپ پر سایہ کیے رہتے تھے۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے میسرہ کے دل میں بھی آپ کی محبت گھر کر گئی اور یوں لگنے لگا جیسے وہ آپ کا غلام ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ باقی قافلے سے پہلے پہنچ گئے تھے۔ آپ سیدھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے۔ وہ اس وقت چند عورتوں کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ انہوں نے دور سے آپ کو دیکھ لیا۔ آپ اونٹ پر سوار تھے اور دو فرشتے آپ پر سایہ کیے ہوئے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ منظر دوسری عورتوں کو بھی دکھایا۔ وہ سب بہت حیران ہوئیں۔

اب آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تجارت کے حالات سنائے۔ منافع کے بارے میں بتایا۔ اس مرتبہ پہلے کی نسبت دوگنا منافع ہوا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت خوش ہوئیں۔ انہوں نے پوچھا:

''میسرہ کہاں ہے؟''

آپ نے بتایا:

''وہ ابھی پیچھے ہے۔''

یہ سن کر سیدہ نے کہا:

''آپ فوراً اس کے پاس جایئے اور اسے جلد از جلد میرے پاس لایئے۔''

آپ واپس روانہ ہوئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دراصل آپ کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ پھر سے وہ ہی منظر دیکھنا چاہتی تھیں۔ جاننا چاہتی تھیں کہ کیا اب بھی فرشتے ان پر

سایہ کرتے ہیں یا نہیں۔ جونہی آپ روانہ ہوئے، یہ اپنے مکان کے اوپر چڑھ گئیں اور وہاں سے آپ کو دیکھنے لگیں۔ آپ کی شان اب بھی وہی نظر آئی۔ اب انہیں یقین ہو گیا کہ ان کی آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا۔ کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم میسرہ کے ساتھ ان کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میسرہ سے کہا:

''میں نے ان پر دو فرشتوں کو سایہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، کیا تم نے بھی کوئی ایسا منظر دیکھا ہے۔''

جواب میں میسرہ نے کہا:

''میں تو یہ منظر اس وقت سے دیکھ رہا ہوں جب قافلہ یہاں سے شام جانے کے لیے روانہ ہوا تھا۔''

اس کے بعد میسرہ نے نسطورا سے ملاقات کا حال سنایا۔ دوسرے آدمی نے جو کہا تھا، وہ بھی بتایا۔ جس نے لات اور عزّیٰ کی قسم کھانے کے لیے کہا تھا، پھر اونٹوں والا واقعہ بتایا۔ یہ تمام باتیں سننے کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو طے شدہ اجرت سے دوگنا دی۔ جب کہ طے شدہ اجرت پہلے ہی دوسرے لوگوں کی نسبت دوگنا تھی۔

ان تمام باتوں سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت حیران ہوئیں۔ اب وہ اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے ملیں، یہ پچھلی کتابوں کے عالم تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں، جو کچھ خود دیکھا اور میسرہ کی زبانی سنا تھا، وہ سب کہہ سنایا۔ ورقہ بن نوفل اس وقت عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے تھے، اس سے پہلے وہ یہودی تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تمام باتیں سن کر ورقہ بن نوفل نے کہا:

''خدیجہ! اگر یہ باتیں سچ ہیں تو سمجھ لو، محمد اس امت کے نبی ہیں۔ میں یہ بات جان چکا ہوں کہ وہ اس امت کے ہونے والے نبی ہیں، دنیا کو انہی کا انتظار تھا۔ یہی ان کا زمانہ ہے۔''

یہاں یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے تجارتی سفر صرف ایک بار ہی نہیں کیا، چند سفر اور بھی کیے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ

عنہا ایک شریف اور پاک باز خاتون تھیں۔نسب کے اعتبار سے بھی قریش میں سب سے اعلیٰ تھیں۔انہیں قریش کی سیدہ کہا جاتا تھا۔قوم کے بہت سے لوگ ان سے نکاح کے خواہش مند تھے، کئی نوجوانوں کے پیغام ان تک پہنچ چکے تھے، لیکن انہوں نے کسی کے پیغام کو قبول نہیں کیا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تجارت کے سفر سے واپس آئے تو آپ کی خصوصیات دیکھ کر اور آپ کی باتیں سن کر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ متاثر ہو چکی تھیں لہذا انہوں نے ایک خاتون نفیسہ بنت منیہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔انہوں نے آ کر آپ سے کہا کہ اگر کوئی دولت منداور پاک باز خاتون خود آپ کو نکاح کی پیش کش کرے تو کیا آپ مان لیں گے۔

ان کی بات سن کر آپ نے فرمایا:

''وہ کون ہیں؟''

نفیسہ نے فوراً کہا:

''خدیجہ بنت خویلد۔''

آپ نے انہیں اجازت دے دی۔نفیسہ بنت منیہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں۔انہیں ساری بات بتائی۔سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو اطلاع کرائی، تاکہ وہ آ کر نکاح کر دیں۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اس سے پہلے دو مرتبہ شادی ہو چکی تھی۔ان کا پہلا نکاح عتیق ابن عائذ سے ہوا تھا۔اس سے ایک بیٹی ہندہ پیدا ہوئی تھی۔عتیق کے فوت ہو جانے کے بعد سیدہ کا دوسرا نکاح ابو ہالہ نامی شخص سے ہوا۔ابو ہالہ کی وفات کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بیوگی کی زندگی گزار رہی تھیں کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کا ارادہ کر لیا۔اس وقت سیدہ کی عمر 40 سال کے لگ بھگ تھی۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد وہاں پہنچ گئے، ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم بھی اپنے چچاؤں کو لے کر پہنچ گئے۔نکاح کس نے پڑھایا، اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ایک رویت یہ ہے کہ یہ نکاح آپ کے چچا ابو طالب نے پڑھایا تھا۔مہر کی رقم کے بارے میں بھی روایات مختلف ہیں۔ایک روایت یہ ہے کہ مہر کی رقم بارہ اوقیہ کے قریب تھی، دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے مہر میں بیس جوان اونٹنیاں دیں۔

نکاح کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمے کی دعوت کھلائی اور اس دعوت میں آپ نے ایک یا دو اونٹ ذبح کیے۔

☆☆☆

تین تحریریں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 35 سال ہوئی تو مکّہ میں زبردست سیلاب آیا۔قریش نے سیلاب سے محفوظ رہنے کے لیے ایک بند بنا رکھا تھا مگر یہ سیلاب اس قدر زبردست تھا کہ بند توڑ کر کعبے میں داخل ہوگیا۔ پانی کے زبردست ریلے اور پانی کے اندر جمع ہونے کی وجہ سے کعبے کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔اس سے پہلے ایک مرتبہ یہ دیواریں آگ لگ جانے کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھیں اور یہ واقعہ اس طرح ہوا تھا کہ ایک مرتبہ کوئی عورت کعبے کو دھونی دے رہی تھی کہ اس آگ میں سے ایک چنگاری اُڑ کر کعبے کے پردوں تک پہنچ گئی۔اس سے پردوں کو آگ لگ گئی اور دیواریں تک جل گئیں۔اس طرح دیواریں بہت کمزور ہوگئی تھیں، یہی وجہ تھی کہ سیلاب نے ان کمزور دیواروں میں شگاف کردیے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کعبے کی جو دیواریں اٹھائی تھیں، وہ نو گز اونچی تھیں۔ان پر چھت نہیں تھی۔ لوگ کعبے کے لیے نذرانے وغیرہ لاتے تھے۔ یہ نذرانے کپڑے اور خوشبوئیں وغیرہ ہوتی تھیں۔ کعبے کے اندر جو کنواں تھا، یہ سب نذرانے اس کنوئیں میں ڈال دیے جاتے تھے، کنواں اندرونی حصے میں دائیں طرف تھا۔اس کو کعبے کا خزانہ کہا جاتا تھا۔ کعبے کے خزانے کو ایک مرتبہ ایک چور نے چرانے کی کوشش کی، چور کنوئیں ہی میں مر گیا۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے لیے ایک سانپ کو مقرر کردیا۔ یہ

سانپ کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھا رہتا تھا۔کسی کو خزانے کے نزدیک نہیں آنے دیتا تھا۔قریش بھی اس سے خوف زدہ رہتے تھے۔اب جب کہ کعبے کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے اور نئے سرے سے اس کی تعمیر کا مسئلہ پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک پرندے کو بھیجا، وہ اس سانپ کو اٹھالے گیا۔(البدایہ والنہایہ)

یہ دیکھ کر قریش کے لوگ بہت خوش ہوئے۔اب انہوں نے نئے سرے سے کعبے کی تعمیر کا فیصلہ کر لیا۔اور پروگرام بنایا کہ بنیادیں مضبوط بنا کر دیواروں کو زیادہ اونچا اُٹھایا جائے۔اس طرح دروازے کو بھی اونچا کر دیا جائے گا تاکہ کعبے میں کوئی داخل نہ ہو۔صرف وہی شخص داخل ہو جسے وہ اجازت دیں۔

اب انہوں نے پتھر جمع کیے۔ہر قبیلہ اپنے حصے کے پتھر الگ جمع کر رہا تھا۔چندہ بھی جمع کیا گیا۔چندے میں انہوں نے پاک کمائی دی۔ناپاک کمائی نہیں دی۔مثلاً طوائفوں کی آمدنی،سود کی کمائی، دوسروں کا مال غصب کر کے حاصل کی گئی دولت چندے میں نہیں دی اور پاک کمائی انہوں نے بلاوجہ نہیں دی تھی۔ایک خاص واقعہ پیش آیا تھا۔جس سے وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اس کام میں صرف پاک کمائی لگائی جائے گی۔وہ واقعہ یوں تھا:

ایک قریشی سردار ابو وہب عمرو بن عابد نے جب یہ کام شروع کرنے کے لیے ایک پتھر اُٹھایا تو پتھر اس کے ہاتھ سے نکل کر پھر اسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے اسے اُٹھایا گیا تھا۔اس پر قریشی حیران و پریشان ہوئے۔آخر خود وہب کھڑا ہوا اور بولا:

''اے گروہِ قریش! کعبے کی بنیادوں میں سوائے پاک مال کے کوئی دوسرا مال شامل مت کرنا۔بیت اللہ کی تعمیر میں کسی بدکار عورت کی کمائی،سود کی کمائی یا زبردستی حاصل کی گئی دولت ہرگز شامل نہ کرنا۔''

یہ وہب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کا ماموں تھا اور اپنی قوم میں ایک شریف آدمی تھا۔

جب قریش کے لوگ خانہ کعبہ کی تعمیر کے لیے پتھر ڈھو رہے تھے تو ان کے ساتھ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم بھی پتھر ڈھونے میں شریک تھے۔ آپ پتھر اپنی گردن پر رکھ کر لا رہے تھے۔

تعمیر شروع کرنے سے پہلے قریش کے لوگوں نے خوف محسوس کیا کہ دیواریں گرانے سے کہیں ان پر کوئی مصیبت نہ نازل ہو جائے۔ آخر ایک سردار ولید بن مغیرہ نے کہا:

''کعبے کی دیواریں گرانے سے تمہارا ارادہ اصلاح اور مرمت کا ہے یا اس کو خراب کرنے کا؟''

جواب میں لوگوں نے کہا:

''ظاہر ہے، ہم تو اس کی مرمت اور اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔''

یہ سن کر ولید نے کہا:

''تب پھر سمجھ لو! اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والوں کو برباد نہیں کرتا۔''

پھر ولید ہی نے گرانے کے کام کی ابتدا کی لیکن اس نے بھی صرف ایک حصہ گرایا تاکہ معلوم ہو جائے، ان پر کوئی تباہی تو نہیں آتی۔ جب وہ رات خیریت سے گزر گئی تب دوسرے دن سب لوگ اس کے ساتھ شریک ہو گئے اور پوری عمارت گرادی۔ یہاں تک کہ اس کی بنیاد تک پہنچ گئے۔ یہ بنیاد ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ کی رکھی ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنیادوں میں سبز رنگ کے پتھر رکھے تھے۔ یہ پتھر اونٹ کی کوہان کی طرح کے تھے اور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے، ان لوگوں کے لیے ان کو توڑنا بہت مشکل کام ثابت ہوا۔

دائیں کونے کے نیچے سے قریش کو ایک تحریر ملی، وہ تحریر سریانی زبانی میں لکھی ہوئی تھی۔ انہیں سریانی زبان نہیں آتی تھی۔ آخر ایک یہودی کو تلاش کر کے لایا گیا۔ اس نے وہ تحریر پڑھ کر انہیں سنائی۔ تحریر یہ تھی:

''میں اللہ ہوں، مکّہ کا مالک جس کو میں نے اس دن پیدا کیا جس دن میں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، جس دن میں نے سورج اور چاند بنائے۔ میں نے اس کو یعنی مکّہ کو سات فرشتوں کے ذریعے گھیر دیا ہے۔ اس کی عظمت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی

جب تک کہ اس کے دونوں طرف پہاڑ موجود ہیں، ان پہاڑوں سے مراد ایک تو ابوقیس پہاڑ ہے جو کہ صفا پہاڑی کے سامنے ہے اور دوسرا قعیقعان پہاڑ ہے جو ملّہ کے قریب ہے اور جس کا رخ ابوقیس پہاڑ کی طرف ہے۔ اور یہ شہر اپنے باشندوں کے لیے پانی اور دودھ کے لحاظ سے بہت بابرکت اور نفع والا ہے۔''

یہ پہلی تحریر تھی۔ دوسری مقام ابراہیم سے ملی۔ اس میں لکھا تھا:

''ملہ اللہ تعالیٰ کا محترم اور معظم شہر ہے۔ اس کا رزق تین راستوں سے اس میں آتا ہے۔''

یہاں تین راستوں سے مراد قریش کے تین تجارتی راستے ہیں۔ ان راستوں سے قافلے آتے جاتے تھے۔

تیسری تحریر اس سے کچھ فاصلے سے ملی۔ اس میں لکھا تھا:

''جو بھلائی بوئے گا، لوگ اس پر رشک کریں گے یعنی اس جیسا بننے کی کوشش کریں گے اور جو شخص رسوائی بوئے گا، وہ رسوائی اور ندامت پائے گا۔ تم برائیاں کر کے بھلائی کی آس لگاتے ہو، ہاں! یہ ایسا ہی ہے جیسے کیکر یعنی کانٹے دار درخت میں کوئی انگور تلاش کرے۔''

یہ تحریر کعبے کے اندر پتھر پر کھدی ہوئی ملی۔ کعبے کی تعمیر کے سلسلے میں قریش کو پتھروں کے علاوہ لکڑی کی بھی ضرورت تھی۔ چھت اور دیواروں میں لکڑی کی ضرورت تھی۔ لکڑی کا مسئلہ اس طرح حل ہوا کہ ایک جہاز عرب کے ساحل سے آکر ٹکرا گیا، آج اس مقام کو جدّہ کا ساحل کہا جاتا ہے، پہلے یہ ملّہ کا ساحل کہلاتا تھا اس لیے کہ ملّہ کا قریب ترین ساحل یہی تھا۔ ساحل سے ٹکرا کر جہاز ٹوٹ گیا۔ وہ جہاز کسی رومی تاجر کا تھا۔ اس جہاز میں شاہِ روم کے لیے سنگ مرمر، لکڑی اور لوہے کا سامان لے جایا جا رہا تھا۔ قریش کو اس جہاز کے بارے میں پتا چلا تو یہ لوگ وہاں پہنچے اور ان لوگوں سے لکڑی خرید لی۔ اس طرح چھت کی تعمیر میں اس لکڑی کو استعمال کیا گیا۔ آخر خانہ کعبہ کی تعمیر کا کام حجرِ اسود تک پہنچ گیا۔ اب یہاں ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ حجرِ اسود کون اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھے گا۔

ہر قبیلہ یہ فضیلت خود حاصل کرنا چاہتا تھا۔

یہ جھگڑا اس حد تک بڑھا کہ مرنے مارنے تک نوبت آ گئی۔ لوگ ایک دوسرے کو قتل کرنے پر تل گئے۔

قبیلہ عبدالدار نے تو قبیلہ عدی کے ساتھ مل کر ایک برتن میں خون بھرا اور اس میں اپنے ہاتھ ڈبو کر کہا:

''حجر اسود ہم رکھیں گے۔''

اسی طرح دوسرے قبیلے بھی اڑ گئے۔ تلواریں نیاموں سے نکل آئیں۔

☆☆☆

حجرِ اسود کون رکھے گا؟

آخر وہ سب بیت اللہ میں جمع ہوئے۔ ان لوگوں میں ابوامیہ بن مغیرہ بھی تھا۔ اس کا نام حذیفہ تھا۔ قریش کے پورے قبیلے میں یہ سب سے زیادہ عمر والا تھا۔ یہ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا باپ تھا۔ قریش کے انتہائی شریف لوگوں میں سے تھا، مسافروں کو سفر کا سامان اور کھانا وغیرہ دینے کے سلسلے میں بہت مشہور تھا۔ جب کبھی سفر کرتا تو اپنے ساتھیوں کے کھانے پینے کا سامان خود کرتا تھا۔

اس وقت اس شدید جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے اس نے ایک حل پیش کیا۔ اس نے سب سے کہا:

''اے قریش کے لوگو! اپنا جھگڑا ختم کرنے کے لیے تم یوں کرو کہ حرم کے صفا نامی دروازے سے جو شخص سب سے پہلے داخل ہو، اس سے فیصلہ کرالو۔ وہ تمہارے درمیان جو فیصلہ کرے، سب اس کو مان لیں۔''

یہ تجویز سب نے مان لی۔ آج اس دروازے کو باب السلام کہا جاتا ہے۔ یہ دروازہ رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیانی حصے کے سامنے ہے۔

اللہ کی قدرت کہ اس دروازے سے سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ قریش نے جیسے ہی آپ کو دیکھا، پکار اُٹھے:

''یہ تو امین ہیں، یہ تو محمد ہیں، ہم ان پر راضی ہیں۔''

اور ان کے ایسا کہنے کی وجہ یہ تھی کہ قریش اپنے آپس کے جھگڑوں کے فیصلے آپ ہی سے کرایا کرتے تھے۔ آپ کسی کی بے جا حمایت نہیں کرتے تھے، نہ بلا وجہ کسی کی مخالفت کرتے تھے۔

پھر ان لوگوں نے اپنے جھگڑے کی تفصیل آپ کو سنائی۔ ساری تفصیل سن کر آپ نے فرمایا:

''ایک چادر لے آؤ۔''

وہ لوگ چادر لے آئے۔ آپ نے اس چادر کو بچھایا اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اُٹھا کر اس چادر پر رکھ دیا۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

''ہر قبیلے کے لوگ اس چادر کا ایک ایک کنارہ پکڑ لیں، پھر سب مل کر اس کو اُٹھائیں۔''

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ چادر کو اٹھائے ہوئے وہ اس مقام تک آ گئے جہاں حجر اسود کو رکھنا تھا۔ اس کے بعد نبی اکرم نے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ رکھنا چاہا، لیکن عین اس وقت ایک نجدی شخص آگے بڑھا اور تیز آواز میں بولا:

''بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ لوگوں نے ایک کم عمر نوجوان کو اپنا راہنما بنا لیا ہے، اس کی عزت افزائی میں لگ گئے ہو، یاد رکھو، یہ شخص سب کو گروہوں میں تقسیم کر دے گا، تم لوگوں کو پارہ پارہ کر دے گا۔''

قریب تھا کہ لوگوں میں اس کی باتوں سے ایک بار پھر جھگڑا ہو جائے، لیکن پھر خود ہی انہوں نے محسوس کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ لڑانے والا نہیں، لڑائی ختم کرنے والا ہے، چنانچہ حجر اسود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

مورخوں نے لکھا ہے، یہ نجدی شخص دراصل ابلیس تھا جو اس موقع پر انسانی شکل میں آیا تھا۔

☆

جب کعبے کی تعمیر مکمل ہوگئی تو قریش نے اپنے بتوں کو پھر سے اس میں سجا دیا۔ کعبے کی یہ تعمیر جو قریش نے کی، چوتھی تعمیر تھی۔ سب سے پہلے کعبے کو فرشتوں نے بنایا تھا۔ بعض صحابہ نے فرمایا ہے کہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی کے اوپر تھا، جب عرش کو پانی پر ہونے کی وجہ سے حرکت ہوئی تو اس پر یہ کلمہ لکھا گیا:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

اس کلمے کے لکھے جانے کے بعد عرش ساکن ہوگیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نے پانی پر ہوا کو بھیجا۔ اس سے پانی میں موجیں اُٹھنے لگیں، اور بخارات اُٹھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان بخارات یعنی بھاپ سے آسمان کو پیدا فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی جگہ سے پانی کو ہٹا دیا، جگہ خشک ہوگئی، چنانچہ یہی بیت اللہ کی جگہ ساری زمین کی اصل ہے اور اس کا مرکز ہے۔ یہی خشکی بڑھتے بڑھتے سات براعظم بن گئی۔ جب زمین ظاہر ہوگئی تو اس پر پہاڑ قائم کیے گئے۔ زمین پر سب سے پہلا پہاڑ ابوقبیس ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا:

''زمین پر میرے نام کا ایک گھر بناؤ تاکہ آدم کی اولاد اس گھر کے ذریعے میری پناہ مانگے۔ انسان اس گھر کا طواف کریں، جس طرح تم نے میرے عرش کے گرد طواف کیا ہے، تاکہ میں ان سے راضی ہو جاؤں۔''

فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر آدم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ اس طرح قریش کے ہاتھوں یہ تعمیر چوتھی بار ہوئی تھی۔

☆☆☆

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 40 سال کے قریب ہوئی تو وحی کے آثار شروع ہو گئے، اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ کو سچے خواب دکھائی دینے لگے۔ آپ جو خواب دیکھتے، وہ حقیقت بن کر سامنے آ جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے سچے خوابوں کا سلسلہ اس لیے شروع کیا کہ اچانک فرشتے کی آمد سے کہیں آپ خوف زدہ نہ ہو جائیں۔ ان دنوں ایک بار آپ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''جب میں تنہائی میں جا کر بیٹھتا ہوں تو مجھے آواز سنائی دیتی ہے... کوئی کہتا ہے، اے محمد... اے محمد۔''

ایک بار آپ نے فرمایا:

''مجھے ایک نور نظر آتا ہے، یہ نور جاگنے کی حالت میں نظر آتا ہے۔ مجھے ڈر ہے، اس کے نتیجے میں کوئی بات نہ پیش آ جائے۔''

ایک بار آپ نے یہ بھی فرمایا:

''اللہ کی قسم! مجھے جتنی نفرت ان بتوں سے ہے، اتنی کسی اور چیز سے نہیں۔''

وحی کے لیے آپ کو ذہنی طور پر تیار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے اسرافیل کو آپ کا ہم دم بنا دیا تھا۔ آپ ان کی موجودگی کو محسوس تو کرتے تھے، مگر انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اس طرح آپ کو نبوت کی خوش خبریاں دی جاتی رہیں۔ آپ کو وحی کے لیے تیار کیا جاتا رہا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں تنہائی کا شوق پیدا فرما دیا تھا، چنانچہ آپ کو تنہائی عزیز ہوگئی۔ آپ غارِ حرا میں چلے جاتے اور وہاں وقت گزارتے۔ اس پہاڑ سے آپ کو ایک بار آواز بھی سنائی دی تھی:

''میری طرف تشریف لائیے۔ اے اللہ کے رسول۔''

اس غار میں آپ مسلسل کئی کئی راتیں گزارتے۔ اللہ کی عبادت کرتے۔ کبھی آپ تین راتوں تک وہاں ٹھہرے رہتے، کبھی سات راتوں تک۔ کبھی پورا مہینا وہاں گزار دیتے۔ آپ جو کھانا ساتھ لے جاتے تھے، جب ختم ہو جاتا تو گھر تشریف لے جاتے، یہ کھانا عام

طور پر زیتون کا تیل اور خشک روٹی ہوتا تھا۔ کبھی کھانے میں گوشت بھی ہوتا تھا۔ غارِ حرا میں قیام کے دوران کچھ لوگ وہاں سے گزرتے اور ان میں کچھ مسکین لوگ ہوتے تو آپ انہیں کھانا کھلاتے۔

غارِ حرا میں آپ عبادت کس طرح کرتے تھے۔ روایات میں اس کی وضاحت نہیں ملتی۔ علماء کرام نے اپنا اپنا خیال ضرور ظاہر کیا ہے۔ ان میں سے ایک خیال یہ ہے کہ آپ کائنات کی حقیقت پر غور و فکر کرتے تھے اور یہ غور و فکر لوگوں سے الگ رہ کر ہی ہو سکتا تھا۔

پھر آخر کار وہ رات آ گئی جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت اور رسالت عطا فرما دی۔ آپ کی نبوت کے ذریعے اپنے بندوں پر عظیم احسان فرمایا۔ وہ ربیع الاول کا مہینا تھا اور تاریخ سترہ تھی۔ بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ وہ رمضان کا مہینا تھا، کیونکہ قرآن رمضان میں نازل ہونا شروع ہوا تھا۔ آٹھویں اور تیسری تاریخ بھی روایات میں آئی ہے اور یہ پہلا موقع تھا جب جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس سے پہلے وہ آپ کے پاس نہیں آئے تھے۔ جس صبح جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آئے، وہ پیر کی صبح تھی اور پیر کی صبح ہی آپ اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

''پیر کے دن کا روزہ رکھو، کیونکہ میں پیر کے دن پیدا ہوا، پیر کے دن ہی مجھے نبوت ملی۔''

بہر حال اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ یہ بات طے ہے کہ اس وقت آپ کی عمر مبارک کا چالیس واں سال تھا۔ آپ اس وقت نیند میں تھے کہ جبرائیل علیہ السلام تشریف لے آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک ریشمی کپڑا تھا اور اس کپڑے میں ایک کتاب تھی۔

☆☆☆

پہلی وحی

انہوں نے آتے ہی کہا:

''اِقْرَأ۔'' یعنی پڑھیے۔

آپ نے فرمایا:

''میں نہیں پڑھ سکتا۔'' (یعنی میں پڑھا لکھا نہیں)۔

اس پر جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو سینے سے لگا کر بھینچا۔ آپ فرماتے ہیں، انہوں نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھے موت کا گمان ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے چھوڑ دیا، پھر کہا:

''پڑھیے۔'' یعنی جو میں کہوں، وہ پڑھیے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

''میں کیا پڑھوں؟''

تب جبرائیل علیہ السلام نے سورۃ العلق کی یہ آیات پڑھیں:

ترجمہ: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ (پر جو قرآن نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجیے (یعنی جب پڑھیں، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجیے) جس نے مخلوقات کو پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، آپ قرآن پڑھا کیجیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے، عطا کرتا ہے اور ایسا ہے) جس نے لکھے

پڑھوں کو قلم سے تعلیم دی۔ (اور عام طور پر) انسانوں کو (دوسرے ذریعوں سے) ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔

آپ فرماتے ہیں:

''میں نے ان آیتوں کو اسی طرح پڑھ دیا جس کے بعد وہ فرشتہ میرے پاس سے چلا گیا، ایسا لگتا تھا گویا میرے دل میں ایک تحریر لکھ دی گئی ہو، یعنی یہ کلمات مجھے زبانی یاد ہو گئے، اس کے بعد آپ گھر تشریف لائے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام جب غار میں آئے تو پہلے انہوں نے یہ الفاظ کہے تھے:

''اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں۔''

آپ کی گھر تشریف آوری سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حسب معمول آپ کے لیے کھانا تیار کر کے ایک شخص کے ہاتھ آپ کے پاس بھجوا دیا تھا مگر اس شخص کو آپ غار میں نظر نہ آئے۔ اس شخص نے واپس آ کر یہ بات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتائی۔ انہوں نے آپ کی تلاش میں آپ کے عزیز و اقارب کے گھر آدمی بھیجے۔ مگر آپ وہاں بھی نہ ملے۔ اس لیے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پریشان ہو گئیں۔ وہ ابھی اسی پریشانی میں تھیں کہ آپ تشریف لے آئے۔ آپ نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا، اس کی تفصیل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمائی۔ حضرت جبرائیل کا یہ جملہ بھی بتایا کہ اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں۔

یہ سن کر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''آپ کو خوش خبری ہو.... آپ یقین کیجئے! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔''

پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ غار والا سارا واقعہ انہیں سنایا۔ ورقہ بن نوفل پرانی کتابوں کے عالم تھے۔ ساری بات سن کر وہ پکار اُٹھے:

''قدوس... قدوس... قسم ہے، اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، خدیجہ! اگر تم سچ کہہ رہی ہو تو اس میں شک نہیں، ان کے پاس وہی ناموس اکبر یعنی جبرئیل آئے تھے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتے تھے۔ محمد اس امت کے نبی ہیں۔ یہ اس بات پر یقین کرلیں۔''

قدوس کا مطلب ہے، وہ ذات جو ہر عیب سے پاک ہو۔ یہ لفظ تعجب کے وقت بولا جاتا ہے جیسے ہم کہہ دیتے ہیں، اللہ... اللہ۔

ورقہ بن نوفل کو جبرئیل کا نام سن کر حیرت اس لیے ہوئی تھی کہ عرب کے دوسرے شہروں میں لوگوں نے یہ نام سنا بھی نہیں تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ورقہ بن نوفل نے آپ کے سر کو بوسہ دیا تھا اور پھر کہا تھا:

''کاش! میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں گے۔ میں آپ کی مدد کرتا، اس عظیم کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں، جب آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے گی، آپ کو تکالیف پہنچائے گی۔ آپ کے ساتھ جنگیں لڑی جائیں گی اور آپ کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو آپ کا ساتھ دوں گا، اللہ کے دین کی حمایت کروں گا۔''

آپ یہ سن کر حیران ہوئے اور فرمایا:

''میری قوم مجھے وطن سے نکال دے گی؟''

جواب میں ورقہ نے کہا:

''ہاں! اس لیے کہ جو چیز آپ لے کر آئے ہیں، اسے لے کر جو بھی آیا، اس پر ظلم ڈھائے گئے... اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو میں ضرور آپ کی پوری مدد کروں گا۔''

ورقہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی کہا:

''تمہارے خاوند بے شک سچے ہیں، درحقیقت یہ باتیں نبوت کی ابتداء ہیں... یہ اس امت کے نبی ہیں۔''

لیکن اس کے کچھ ہی مدت بعد ورقہ بن نوفل کا انتقال ہو گیا۔ انہیں حجون کے مقام پر دفن کیا گیا۔ چوں کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

''میں نے ورقہ کو جنت میں دیکھا ہے، ان کے جسم پر سرخ لباس تھا۔''

ورقہ سے ملاقات کے بعد آپ گھر تشریف لے آئے۔ اس کے بعد ایک مدت تک جبرئیل علیہ السلام آپ کے سامنے نہیں آئے۔ درمیان میں جو وقفہ ڈالا گیا، اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ آپ کے مبارک دل پر جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر جو خوف پیدا ہو گیا تھا، اس کا اثر زائل ہو جائے اور ان کے نہ آنے کی وجہ سے آپ کے دل میں وحی کا شوق پیدا ہو جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جبرئیل علیہ السلام کی آمد کے بعد سلسلہ رک جانے پر آپ کو صدمہ ہوا۔ کئی بار آپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے تاکہ خود کو وہاں سے گرا کر ختم کر دیں، لیکن جب بھی آپ ایسا کرنے کی کوشش کرتے، جبرئیل علیہ السلام آپ کو پکارتے:

''اے محمد! آپ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔''

یہ کلمات سن کر آپ سکون محسوس کرتے، لیکن جب پھر وحی کا وقفہ کچھ اور گزر جاتا تو آپ بے قرار ہو جاتے، رنج محسوس کرتے اور اسی طرح پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے، چنانچہ پھر جبرئیل علیہ السلام آجاتے اور آپ کو تسلی دیتے۔ آخر دوبارہ وحی نازل ہوئی۔ سورہ مدثر کی پہلی تین آیات اُتریں۔

ترجمہ: اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو! (یعنی اپنی جگہ سے اُٹھو اور تیار ہو جاؤ) پھر کافروں کو ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔

اس طرح آپ کو نبوت کے ساتھ تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں:

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں اور اللہ کی طرف سے جو کچھ آنحضرت لے کر آئے، اس کی تصدیق کی۔ مشرکین کی طرف سے آپ کو جب بھی تکلیف پہنچی، صدمہ پہنچا، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو دلاسا دیا۔''

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد دوسرے آدمی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو آپ کے پرانے دوست تھے، انہوں نے آپ کی زبان سے نبوت ملنے کا ذکر سنتے ہی فوراً آپ کی تصدیق کی اور ایمان لے آئے۔ بچوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں جو آپ پر پہلے ایمان لائے اور ان کے ایمان لانے کا واقعہ کچھ اس طرح ہے:

ایک دن آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں اور آپ ان کے ساتھ چھپ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے یہ نئی بات دیکھ کر پوچھا:

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ وہ دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے پسند کیا ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر بھیجے ہیں، میں تمہیں بھی اس اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو تنہا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، میں تمہیں اسی اللہ کی طرف بلاتا ہوں، لات اور عزیٰ کی عبادت سے روکتا ہوں۔''

حضرت علی نے یہ سن کر عرض کیا:

''یہ ایک نئی بات ہے، اس کے بارے میں میں نے آج سے پہلے کبھی نہیں سنا۔ اس لیے میں اپنے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا، میں اپنے والد سے مشورہ کرلوں۔''

ان کا جواب سن کر آپ نے ارشاد فرمایا:

''علی! اگر تم مسلمان نہیں ہوتے تو بھی اس بات کو چھپائے رکھنا۔''

انہوں نے وعدہ کیا اور اس کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ رات بھر سوچتے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت عطا فرمائی۔ سویرے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔

علماء نے لکھا ہے، اس وقت حضرت علی کی عمر 8 سال کے قریب تھی، اس سے پہلے بھی انہوں نے کبھی بتوں کی عبادت نہیں کی تھی۔ وہ بچپن ہی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔

گم شدہ بیٹا

لیکن احتیاط کے باوجود حضرت علیؓ کے والد کو ان کے قبول اسلام کا علم ہو گیا تو انہوں نے حضرت علیؓ سے اس کے متعلق استفسار کیا۔

اپنے والد کا سوال سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ابا جان! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکا ہوں اور جو کچھ اللہ کے رسول لے کر آئے ہیں، اس کی تصدیق کر چکا ہوں، لہٰذا ان کے دین میں داخل ہو گیا ہوں اور ان کی پیروی اختیار کر چکا ہوں۔''

یہ سن کر ابو طالب نے کہا:

''جہاں تک ان کی بات ہے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی) تو وہ تمہیں بھلائی کے سوا کسی دوسرے راستے پر نہیں لگائیں گے، لہٰذا ان کا ساتھ نہ چھوڑنا۔''

ابو طالب اکثر یہ کہا کرتے تھے:

''میں جانتا ہوں، میرا بھتیجا جو کچھ کہتا ہے، حق ہے، اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں مجھے شرم دلائیں گی تو میں ضرور ان کی پیروی قبول کر لیتا۔''

عفیف کندی رضی اللہ عنہ ایک تاجر تھے۔ ان کا بیان ہے:

''اسلام قبول کرنے سے بہت پہلے میں ایک مرتبہ حج کے لیے آیا۔ تجارت کا کچھ مال

خریدنے کے لیے میں عباس ابن عبدالمطلب کے پاس گیا۔ وہ میرے دوست تھے اور یمن سے اکثر عطر خرید کر لاتے تھے۔ پھر حج کے موسم میں مکّہ میں فروخت کرتے تھے، میں ان کے ساتھ منیٰ میں بیٹھا تھا کہ ایک نوجوان آیا۔ اس نے غروب ہوتے سورج کی طرف غور سے دیکھا، جب اس نے دیکھ لیا کہ سورج غروب ہو چکا ہے تو اس نے بہت اہتمام سے وضو کیا، پھر نماز پڑھنے لگا، یعنی کعبے کی طرف منہ کر کے ... پھر ایک لڑکا آیا، جو بالغ ہونے کے قریب تھا۔ اس نے بھی وضو کیا اور اس نوجوان کے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ پھر ایک عورت خیمے سے نکلی اور ان دونوں کے پیچھے نماز کی نیت باندھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کے بعد ان نوجوان نے رکوع کیا تو اس لڑکے اور عورت نے بھی رکوع کیا۔ نوجوان سجدے میں گیا تو وہ دونوں بھی سجدے میں چلے گئے۔ یہ منظر دیکھ کر میں نے عباس بن عبدالمطلب سے پوچھا:

''عباس! یہ کیا ہو رہا ہے؟''

انہوں نے بتایا:

''یہ میرے بھائی عبداللہ کے بیٹے کا دین ہے۔ محمّد کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ لڑکا میرا بھتیجا علی ابن ابی طالب ہے اور یہ عورت محمّد کی بیوی خدیجہ ہے۔''

یہ عفیف کندی رضی اللہ عنہ بعد میں مسلمان ہوئے تو کہا کرتے تھے:

''کاش! اس وقت ان میں چوتھا آدمی میں ہوتا۔''

اس واقعے کے وقت غالباً حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما وہاں موجود نہیں تھے، اگرچہ اس وقت تک یہ دونوں بھی مسلمان ہو چکے تھے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، پہلے یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ شادی کے بعد انہوں نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

غلامی میں دے دیا تھا۔

یہ غلام کس طرح بنے، یہ بھی سن لیں۔ جاہلیت کے زمانے میں ان کی والدہ انہیں لیے اپنے ماں باپ کے ہاں جارہی تھیں کہ قافلے کو لوٹ لیا گیا۔ ڈاکو ان کے بیٹے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھی لے گئے۔ پھر انہیں عکاظ کے میلے میں بیچنے کے لیے لایا گیا۔ ادھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو میلے میں بھیجا۔ وہ ایک غلام خریدنا چاہتی تھیں۔ آپ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ میلے میں آئے تو وہاں انہوں نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بکتے دیکھا۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو یہ اچھے لگے، چنانچہ انہوں نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے انہیں خرید لیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہ پسند آئے اور انہوں نے انہیں اپنی غلامی میں لے لیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کر دیا۔ اس طرح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بنے۔ پھر جب آپ نے اسلام کی دعوت دی تو فوراً آپ پر ایمان لے آئے۔ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا تھا مگر یہ عمر بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ ان کے والد ایک مدت سے ان کی تلاش میں تھے۔ کسی نے انہیں بتایا کہ زید مکّہ میں دیکھے گئے ہیں۔

ان کے والد اور چچا انہیں لینے فوراً مکّہ معظّمہ کی طرف چل پڑے۔ مکّہ پہنچ کر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو بتایا کہ زید ان کے بیٹے ہیں۔ ساری بات سن کر آپ نے ارشاد فرمایا:

”تم زید سے پوچھ لو، اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں اور یہاں میرے پاس رہنا چاہیں تو ان کی مرضی۔“

زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا پسند کیا۔

اس پر باپ نے کہا:

''تیرا برا ہو زید... تو آزادی کے مقابلے میں غلامی کو پسند کر رہا ہے۔''

جواب میں حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہاں! ان کے مقابلے میں میں کسی اور کو ہرگز نہیں چن سکتا۔''

آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی تو آپ کو فوراً حجر اسود کے پاس لے گئے اور اعلان فرمایا:

''آج سے زید میرا بیٹا ہے۔''

ان کے والد اور چچا مایوس ہو گئے۔ تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی کہ وہ جب چاہیں زید سے ملنے کے لیے آ سکتے ہیں، چنانچہ وہ ملنے کے لیے آتے رہے۔

تو یہ تھے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ حضرت زید وہ واحد صحابی ہیں جن کا قرآن کریم میں نام لے کر ذکر کیا گیا ہے۔

☆☆☆

''تم وہی ہو''

مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے ہی دوست تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کے گھر آتے اور ان سے باتیں کیا کرتے تھے۔

آپ ایک دن حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے کہ ان کی ایک باندی وہاں آئی اور کہنے لگی:

''آج آپ کی پھوپھی خدیجہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کے شوہر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام تھے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جونہی حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کی باندی کی یہ بات سنی، چپکے سے وہاں سے اٹھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے اور آپ سے اس بارے میں پوچھا۔ اس پر آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو وحی آنے کا پورا واقعہ سنایا اور بتایا کہ آپ کو تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ بالکل سچ کہتے ہیں، آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔''

آپ کے اس طرح فوراً تصدیق کرنے کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو

صدیق کا لقب عطا فرمایا۔ اس بارے میں دوسری روایت یہ ہے کہ صدیق کا لقب آپ نے انہیں اس وقت دیا تھا جب آپ معراج کے سفر سے واپس تشریف لائے تھے اور مکّہ کے مشرکین نے آپ کو جھٹلایا تھا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے واقعہ سنتے ہی فوری طور پر آپ کی تصدیق کی تھی اور آپ نے انہیں صدیق کا لقب عطا فرمایا تھا۔

غرض ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی نبوت کی تصدیق فوری طور پر کر دی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا، اس لیے کہ اس سے پہلے ان کا نام عبدالکعبہ تھا۔ اس لحاظ سے ابوبکر صدیق وہ پہلے آدمی ہیں جن کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یوں بھی بہت خوب صورت تھے، اس مناسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا لقب عتیق رکھا تھا۔ عتیق کا مطلب ہے، خوب صورت۔ اس کا ایک مطلب آزاد بھی ہے۔ یہ لقب دینے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا تھا:

''یہ جہنم کی آگ سے آزاد ہیں۔''

غرض اسلام میں یہ پہلا لقب ہے جو کسی کو ملا۔ قریش میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ آپ بہت خوش اخلاق تھے۔ قریش کے سرداروں میں سے ایک تھے۔ شریف، سخی اور دولت مند تھے۔ روپیہ پیسہ بہت فراخ دلی سے خرچ کرتے تھے۔ ان کی قوم کے لوگ انہیں بہت چاہتے تھے۔ لوگ ان کی مجلس میں بیٹھنا بہت پسند کرتے تھے۔ اپنے زمانے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خواب کی تعبیر بتانے میں بہت ماہر اور مشہور تھے۔ چنانچہ علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس امت میں سب سے بہترین تعبیر بتانے والے عالم ہیں۔''

علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ خود خواب کی تعبیر بتانے میں بہت ماہر تھے اور اس سلسلے میں ان کی کتاب بھی موجود ہے۔ اس کتاب میں خوابوں کی حیرت انگیز تعبیریں درج ہیں۔ ان

کی بتائی ہوئی تعبیریں بالکل درست ثابت ہوتی رہیں۔ مطلب یہ کہ اس میدان کے ماہر اس بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر تعبیر بتانے والے فرما رہے ہیں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نسب نامہ بیان کرنے میں بھی بہت ماہر تھے بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس علم کے سب سے بڑے عالم تھے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بھی اس علم کے ماہر تھے، وہ فرماتے ہیں:

''میں نے نسب ناموں کا فن اور علم اور خاص طور پر قریش کے نسب ناموں کا علم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہی حاصل کیا ہے، اس لیے کہ وہ قریش کے نسب ناموں کے سب سے بڑے عالم تھے۔

قریش کے لوگوں کو کوئی مشکل پیش آتی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رابطہ کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''میں نے جسے بھی اسلام کی دعوت دی، اس نے کچھ نہ کچھ سوچ بچار اور کسی قدر وقفے کے بعد اسلام قبول کیا، سوائے ابوبکر کے، وہ بغیر ہچکچاہٹ کے فوراً مسلمان ہو گئے، ابوبکر سب سے بہتر رائے دینے والے ہیں۔ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے، اپنے معاملات میں ابوبکر سے مشورہ کیا کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وزیر کے درجے میں تھے۔ آپ ہر معاملے میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے میری مدد کے لیے چار وزیر مقرر فرمائے ہیں، ان میں سے دو آسمان والوں میں سے ہیں یعنی جبرائیل اور میکائیل (علیہما السلام) اور دو زمین والوں میں سے ہیں، ایک ابوبکر اور دوسرے عمر (رضی اللہ عنہما)۔''

اسلام لانے سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا تھا، خواب میں آپ نے دیکھا کہ چاند مکّہ میں اتر آیا ہے اور اس کا ایک ایک حصہ مکّہ کے ہر گھر میں داخل ہو گیا۔ پھر وہ سارے کا سارا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی گود میں آ گیا۔ آپ نے یہ خواب ایک عیسائی عالم کو سنایا۔ اس نے اس خواب کی تعبیر یہ بیان کی کہ تم اپنے پیغمبر کی پیروی کرو گے جس کا دنیا انتظار کر رہی ہے اور جس کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے اور یہ کہ تم اس کے پیروکاروں میں سب سے زیادہ خوش قسمت انسان ہو گے۔

ایک روایت کے مطابق عیسائی عالم نے کہا تھا:

''اگر تم اپنا خواب بیان کرنے میں سچے ہو تو بہت جلد تمہاری قوم میں سے ایک نبی ظاہر ہوں گے، تم اس نبی کی زندگی میں اس کے وزیر بنو گے اور ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ ہوؤ گے۔''

کچھ عرصہ بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یمن جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ یمن میں یہ ایک بوڑھے عالم کے گھر ٹھہرے۔ اس نے آسمانی کتابیں پڑھ رکھی تھیں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اس نے کہا:

''میرا خیال ہے، تم حرم کے رہنے والے ہو اور میرا خیال ہے، تم قریشی ہو اور تیمی خاندان سے ہو۔''

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

''ہاں! تم نے بالکل ٹھیک کہا۔''

اب اس نے کہا:

''میں تم سے ایک بات اور کہتا ہوں... تم ذرا اپنے پیٹ پر سے کپڑا اٹھا کر دکھاؤ۔''

حضرت ابو بکر صدیق اس کی بات سن کر حیران ہوئے اور بولے:

''ایسا میں اس وقت تک نہیں کروں گا، جب تک کہ تم اس کی وجہ نہیں بتا دو گے۔''

اس پر اس نے کہا:

''میں اپنے مضبوط علم کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ حرم کے علاقے میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ ان کی مدد کرنے والا ایک نوجوان ہوگا اور ایک پختہ عمر والا ہوگا، جہاں تک نوجوان کا تعلق ہے، وہ مشکلات میں کود جانے والا ہوگا، جہاں تک پختہ عمر کے آدمی کا تعلق ہے، وہ سفید رنگ کا کمزور جسم والا ہوگا۔ اس کے پیٹ پر ایک بال دار نشان ہوگا۔ حرم کا رہنے والا، تیمی خاندان کا ہوگا اور اب یہ ضروری نہیں کہ تم مجھے اپنا پیٹ دکھاؤ، کیونکہ باقی سب علامتیں تم میں موجود ہیں۔''

اس کی اس بات پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پیٹ پر سے کپڑا ہٹا دیا۔ وہاں ان کی ناف کے اوپر سیاہ اور سفید بالوں والا نشان موجود تھا۔ تب وہ پکار اُٹھا:

''پروردگارِ کعبہ کی قسم! تم وہی ہو۔''

☆☆☆
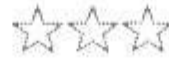
دین نہیں چھوڑوں گا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''جب میں یمن میں اپنی خریداری اور تجارتی کام کر چکا تو رخصت ہونے کے وقت اس کے پاس آیا۔اس وقت اس نے مجھ سے کہا:

''میری طرف سے چند شعر سن لو جو میں نے اس نبی کی شان میں کہے ہیں۔''

اس پر میں نے کہا:

''اچھی بات ہے،سناؤ۔''

تب اس نے مجھے وہ شعر سنائے ،اس کے بعد جب میں مکہ معظّمہ پہنچا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت کا اعلان کر چکے تھے۔فوراً ہی میرے پاس قریش کے بڑے بڑے سردار آئے۔ان میں زیادہ اہم عقبہ بن ابی معیط ،شیبہ، ربیعہ،ابوجہل اورابوالبختری تھے۔ان لوگوں نے مجھ سے کہا:

''اے ابوبکر! ابوطالب کے یتیم نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ نبی ہیں۔اگر آپ کا انتظار نہ ہوتا تو ہم اس وقت تک صبر نہ کرتے۔اب جب کہ آپ آ گئے ہیں،ان سے نبٹنا آپ ہی کا کام ہے۔''

اور یہ بات انہوں نے اس لیے کہی تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی دوست تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اچھے انداز سے ان لوگوں کو ٹال دیا اور خود آپ کے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی۔ آپ باہر تشریف لائے۔ مجھے دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا:

''اے ابوبکر! میں تمہاری اور تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ۔''

آپ کی بات سن کر میں نے کہا:

''آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے۔''

آپ نے میری بات سن کر ارشاد فرمایا:

''اس بوڑھے کے وہ شعر جو اس نے آپ کو سنائے تھے۔''

یہ سن کر میں حیران رہ گیا اور بولا:

''میرے دوست! آپ کو ان کے بارے میں کس نے بتایا؟''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''اس عظیم فرشتے نے جو مجھ سے پہلے بھی تمام نبیوں کے پاس آتا رہا ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اپنا ہاتھ لائیے! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

آپ میرے ایمان لانے پر بہت خوش ہوئے، مجھے سینے سے لگایا۔ پھر کلمہ پڑھ کر میں آپ کے پاس سے واپس آ گیا۔

مسلمان ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے جو سب سے پہلا کام کیا، وہ تھا اسلام کی تبلیغ۔ انہوں نے اپنے جاننے والوں کو اسلام کا پیغام دیا۔ انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا، چنانچہ ان کی تبلیغ کے نتیجے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی خبر ان کے چچا حکم کو ہوئی تو اس نے

انہیں پکڑ لیا اور کہا:

''تو اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر محمد کا دین قبول کرتا ہے، اللہ کی قسم! میں تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ تو اس دین کو نہیں چھوڑے گا۔''

اس کی بات سن کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں اس دین کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔''

ان کے چچا نے جب ان کی پختگی اور ثابت قدمی دیکھی تو انہیں دھوئیں میں کھڑا کر کے تکالیف پہنچائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ثابت قدم رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں ہر نبی کا ایک رفیق یعنی ساتھی ہوتا ہے اور میرے ساتھی وہاں عثمان ابن عفان ہوں گے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی تبلیغ جاری رکھی۔ آپ کی کوششوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہوگئے۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوشش سے مسلمان ہوئے۔ جاہلیت کے زمانے میں ان کا نام عبدالکعبہ تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ یہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''امیہ ابن خلف میرا دوست تھا، ایک روز اس نے مجھ سے کہا، تم نے اس نام کو چھوڑ دیا جو تمہارے باپ نے رکھا تھا۔''

جواب میں میں نے کہا:

''ہاں! چھوڑ دیا۔''

یہ سن کر وہ بولا:

''میں رحمٰن کو نہیں جانتا، اس لیے میں تمہارا نام عبدالالٰہ رکھتا ہوں۔''

چنانچہ مشرک اس روز سے مجھے عبدالالٰہ کہہ کر پکارنے لگے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''میں اکثر یمن جایا کرتا تھا۔ جب بھی وہاں جاتا، عسکلان ابن عواکف حمیری کے مکان پر ٹھہرا کرتا تھا اور جب بھی میں اس کے ہاں جاتا، وہ مجھ سے پوچھا کرتا تھا، کیا وہ شخص تم لوگوں میں ظاہر ہوگیا ہے جس کی شہرت اور چرچے ہیں، کیا تمہارے دین کے معاملے میں کسی نے مخالفت کا اعلان کیا ہے۔ میں ہمیشہ یہی کرتا تھا کہ نہیں، ایسا کوئی شخص ظاہر نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ وہ سال آ گیا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ میں اس سال یمن گیا تو اسی کے ہاں ٹھہرا۔ اس نے یہی سوال پوچھا، تب میں نے اسے بتایا:

''ہاں! ان کا ظہور ہوگیا ہے۔ ان کی مخالفت بھی ہو رہی ہے۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم زمین والوں میں بھی امانت دار ہو اور آسمان والوں میں بھی۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے کوئی ہچکچاہٹ ظاہر نہ کی، فوراً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے، آپ سے آپ کے پیغام کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے انہیں بتایا تو یہ اسی وقت مسلمان ہوگئے۔ اس وقت ان کی عمر 19 سال تھی۔ یہ بنی زہرہ کے خاندان سے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ بھی اسی خاندان سے تھیں۔ اسی لیے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کہلاتے تھے۔ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے ایک بار فرمایا:

''یہ میرے ماموں ہیں، ہے کوئی جس کے ایسے ماموں ہوں۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے اور ان کی والدہ کو ان کے

مسلمان ہونے کا پتا چلا تو یہ بات انہیں بہت ناگوار گزری۔ ادھر یہ اپنی والدہ کے بہت فرماں بردار تھے۔ والدہ نے ان سے کہا:

''کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے بڑوں کی خاطر داری اور ماں باپ کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''ہاں! بالکل ایسا ہی ہے۔''

یہ جواب سن کر والدہ نے کہا:

''بس تو خدا کی قسم میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گی جب تک تم محمد کے لائے ہوئے پیغام کو کفر نہیں کہو گے اور اساف اور نائلہ بتوں کو جا کر چھوؤ گے نہیں۔''

اس وقت کے مشرکوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ان بتوں کے کھلے منہ میں کھانا اور شراب ڈالا کرتے تھے۔

اب والدہ نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ سے کہا:

''خدا کی قسم ماں! تمہیں نہیں معلوم، اگر تمہارے پاس ایک ہزار زندگیاں ہوتیں اور وہ سب ایک ایک کر کے اس وجہ سے ختم ہوتیں، تب بھی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو ہرگز نہ چھوڑتا۔ اس لیے اب یہ تمہاری مرضی ہے، کھاؤ یا نہ کھاؤ۔''

جب ماں نے ان کی یہ مضبوطی دیکھی تو کھانا شروع کر دیا، تاہم اس نے اب ایک اور کام کیا، دروازے پر آ گئی اور چیخ چیخ کر کہنے لگی:

''کیا مجھے ایسے مددگار نہیں مل سکتے جو سعد کے معاملے میں میری مدد کریں تاکہ میں اسے گھر میں قید کر دوں اور قید کی حالت میں یہ مر جائے یا اپنے نئے دین کو چھوڑ دے۔''

حضرت سعد فرماتے ہیں، میں نے یہ الفاظ سنے تو ماں سے کہا:

''میں تمہارے گھر کا رخ بھی نہیں کروں گا۔''

اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ کچھ دن تک گھر نہ گئے۔ والدہ تنگ آ گئی اور اس

نے پیغام بھیجا:

''تم گھر آ جاؤ، دوسروں کے مہمان بن کر ہمیں شرمندہ نہ کرو۔''

چنانچہ یہ گھر چلے آئے۔ اب گھر والوں نے پیار و محبت سے سمجھانا شروع کیا۔ وہ ان کے بھائی عامر کی مثال دے کر کہتی:

''دیکھو عامر کتنا اچھا ہے، اس نے اپنے باپ دادا کا دین نہیں چھوڑا۔''

لیکن پھر ان کے بھائی عامر بھی مسلمان ہو گئے۔ اب تو والدہ کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔

☆☆☆

ذکر چند جاں نثاروں کا

ماں نے دونوں بھائیوں کو بہت تکالیف پہنچائیں۔ آخر عامر رضی اللہ عنہ تنگ آ کر حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ عامر رضی اللہ عنہ کے حبشہ ہجرت کر جانے سے پہلے ایک روز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ گھر آئے تو دیکھا ماں اور عامر رضی اللہ عنہ کے چاروں طرف بہت سے لوگ جمع ہیں۔ میں نے پوچھا:

''لوگ کیوں جمع ہیں؟''

لوگوں نے بتایا:

''یہ دیکھو! تمہاری ماں نے تمہارے بھائی کو پکڑ رکھا ہے اور اللہ سے عہد کر رہی ہے کہ جب تک عامر بے دینی نہیں چھوڑے گا، اس وقت تک یہ نہ تو کھجور کے سائے میں بیٹھے گی اور نہ کھانا کھائے گی اور نہ پانی پیے گی۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا:

''اللہ کی قسم ماں! تم اس وقت تک کھجور کے سائے میں نہ بیٹھو اور اس وقت تک کچھ نہ کھاؤ پیو، جب تک کہ تم جہنم کا ایندھن نہ بن جاؤ۔''

غرض انہوں نے ماں کی کوئی پروا نہ کی اور دین پر ڈٹے رہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے حضرت طلحہ بن عبداللہ تیمی رضی اللہ عنہ بھی اسلام لے

آئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور یہ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے کا کھل کر اعلان کر دیا۔ ان کا اعلان سن کر نوفل ابن عدویہ نے انہیں پکڑ لیا۔ اس شخص کو قریش کا شیر کہا جاتا تھا۔ اس نے دونوں کو ایک ہی رسی سے باندھ دیا۔ اس کی اس حرکت پر ان کے قبیلے بنو تمیم نے بھی انہیں نہ بچایا۔ اب چونکہ نوفل نے دونوں کو ایک ہی رسی سے باندھا تھا اور دونوں کے جسم آپس میں بالکل ملے ہوئے تھے، اس لیے انہیں قرینین کہا جانے لگا، یعنی ملے ہوئے۔

نوفل بن عدویہ کے ظلم کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''اے اللہ! ابن عدویہ کے شر سے ہمیں بچا۔''

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے اسلام قبول کر لینے کا سبب اس طرح بیان کرتے ہیں:

''میں ایک مرتبہ بصریٰ کے بازار میں گیا، میں نے وہاں ایک راہب کو دیکھا، وہ اپنی خانقاہ میں کھڑا تھا اور لوگوں سے کہہ رہا تھا:

''اس مرتبہ حج سے آنے والوں سے پوچھو، کیا ان میں کوئی حرم کا باشندہ بھی ہے؟''

میں نے آگے بڑھ کر کہا:

''میں ہوں حرم کا رہنے والا۔''

میرا جملہ سن کر اس نے کہا:

''کیا احمد کا ظہور ہو گیا ہے؟''

میں نے پوچھا:

''احمد کون؟''

تب اس راہب نے کہا:

''احمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ... یہ اس کا مہینا ہے، وہ اس مہینے میں ظاہر ہوگا، وہ آخری نبی ہے۔ اس کے ظاہر ہونے کی جگہ حرم ہے اور اس کی ہجرت کی جگہ وہ علاقہ ہے،

جہاں باغات ہیں، سبزہ زار ہیں، اس لیے تم پر ضروری ہے کہ تم اس نبی کی طرف بڑھنے میں پہل کرو۔''

اس راہب کی کہی ہوئی بات میرے دل میں نقش ہوگئی۔ میں تیزی کے ساتھ وہاں سے واپس روانہ ہوا اور مکہ پہنچا۔ یہاں پہنچ کر میں نے لوگوں سے پوچھا:

''کیا کوئی نیا واقعہ بھی پیش آیا ہے؟''

لوگوں نے بتایا:

''ہاں! محمد ابن عبداللہ امین نے لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینا شروع کی ہے اور ابو بکر نے ان کی پیروی قبول کر لی ہے۔''

میں یہ سنتے ہی گھر سے نکلا اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے انہیں راہب کی ساری بات سنا دی۔ ساری بات سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور آپ کو یہ پورا واقعہ سنایا۔ آپ سن کر بہت خوش ہوئے۔ اسی وقت میں بھی مسلمان ہو گیا۔''

یہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ یعنی جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی، ان میں سے ایک ہیں۔

اس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کلمہ پڑھا، ان میں سے پانچ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ وہ یہ ہیں، حضرت زبیر، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم۔ بعض نے ان میں چھٹے صحابی کا بھی اضافہ کیا ہے۔ وہ ہیں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ۔

ان حضرات میں حضرت ابو بکر، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کپڑے کے تاجر تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جانور ذبح کرتے تھے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ تیر بنانے کا کام کرتے تھے۔

ان کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایمان لائے، وہ اپنے اسلام لانے کا

واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

''میں ایک دن عقبہ بن ابی معیط کے خاندان کی بکریاں چرا رہا تھا، اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آ گئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے پوچھا:

''کیا تمہارے پاس دودھ ہے؟''

میں نے کہا:

''جی ہاں، لیکن میں تو امین ہوں۔'' (یعنی یہ دودھ تو امانت ہے)۔

آپ نے فرمایا:

''کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے ابھی کوئی بچہ نہ دیا ہو؟''

میں نے کہا:

''جی ہاں، ایک ایسی بکری ہے۔''

میں اس بکری کو آپ کے قریب لے آیا۔ اس کے ابھی تھن بھی پوری طرح نہیں نکلے تھے۔ آپ نے اس کے تھنوں کی جگہ پر ہاتھ پھیرا۔ اسی وقت اس بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے۔''

یہ واقعہ دوسری روایت میں یوں بیان ہوا ہے کہ اس بکری کے تھن سوکھ چکے تھے۔ آپ نے ان پر ہاتھ پھیرا تو وہ دودھ سے بھر گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ آپ کو ایک صاف پتھر تک لے آئے۔ وہاں بیٹھ کر آپ نے بکری کا دودھ دوہا۔ آپ نے وہ دودھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پلایا۔ پھر مجھے پلایا اور آخر میں آپ نے خود پیا۔ پھر آپ نے بکری کے تھن سے فرمایا:

''سمٹ جا۔''

چنانچہ تھن فوراً ہی پھر ویسے ہو گئے، جیسے پہلے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ دیکھا تو آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! مجھے اس کی حقیقت بتائیے۔''

آپ نے یہ سن کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

''اللہ تم پر رحم فرمائے، تم تو جان کار ہو۔''

یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باپ کی بجائے، ماں کی طرف سے زیادہ مشہور تھے۔ ان کی ماں کا نام ام عبد تھا۔ ان کا قد بہت چھوٹا تھا۔ نہایت دبلے پتلے تھے۔ ایک مرتبہ صحابہ ان پر ہنسنے لگے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''عبداللہ اپنے مرتبے کے لحاظ سے ترازو میں سب سے بھاری ہیں۔''

انہی کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

''اپنی امت کے لیے میں بھی اسی چیز پر راضی ہو گیا جس پر ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعود راضی ہو گئے۔ اور جس چیز کو عبداللہ بن مسعود نے امت کے لیے ناگوار سمجھا، میں نے بھی اس کو ناگوار سمجھا۔'' آپ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ انہیں اپنے قریب بٹھایا کرتے تھے، ان سے کسی کو چھپایا نہیں کرتے تھے، اسی لیے یہ آپ کے گھر میں آتے جاتے تھے۔ یہ نبی کریم کے آگے آگے یا ساتھ ساتھ چلا کرتے تھے۔ جب آپ غسل فرماتے تو یہی پردے کے لیے چادر تان کر کھڑے ہوتے تھے۔ جب آپ سو جاتے تو یہی آپ کو وقت پر جگایا کرتے تھے۔ اسی طرح جب آپ کہیں جانے کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کو جوتے پہناتے تھے۔ پھر جب آپ کہیں پہنچ کر بیٹھ جاتے تو یہ آپ کے جوتے اٹھا کر اپنے ہاتھ میں لے لیا کرتے تھے۔ ان کی انہی باتوں کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مشہور تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے والوں میں سے ہیں۔ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''دنیا تمام کی تمام غموں کی پونجی ہے، اس میں اگر کوئی خوشی ہے تو وہ صرف وقتی فائدے کے طور پر ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔

☆☆☆

پانچواں آدمی

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنے سے بھی تین سال پہلے سے میں اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھا کرتا تھا اور جس طرف اللہ تعالیٰ میرا رخ کر دیتے، میں اسی طرف چل پڑتا تھا۔ اسی زمانے میں ہمیں معلوم ہوا کہ مکہ معظّمہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے۔ یہ سن کر میں نے اپنے بھائی انیس سے کہا:

''تم اس شخص کے پاس جاؤ، اس سے بات چیت کرو اور آ کر مجھے اس بات چیت کے بارے میں بتاؤ۔''

چنانچہ انیس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، جب وہ واپس آئے تو میں نے ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا:

''اللہ کی قسم! میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جو اچھائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے تمہیں اسی شخص کے دین پر پایا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ نیکی اور بلند اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔''

میں نے پوچھا:

''لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

انیس نے بتایا:

''لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ کاہن اور جادوگر ہے مگر اللہ کی قسم وہ شخص سچا ہے اور وہ لوگ جھوٹے ہیں۔''

یہ تمام باتیں سن کر میں نے کہا:

''بس کافی ہے، میں خود جا کر ان سے ملتا ہوں۔''

انیس نے فوراً کہا:

''ضرور جا کر ملو، مگر مکہ والوں سے بچ کر رہنا۔''

چنانچہ میں نے اپنے موزے پہنے، لاٹھی ہاتھ میں لی اور روانہ ہو گیا، جب میں مکہ پہنچا تو میں نے لوگوں کے سامنے ایسا ظاہر کیا، جیسے میں اس شخص کو جانتا ہی نہیں اور اس کے بارے میں پوچھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ میں ایک ماہ تک مسجد حرام میں ٹھہرا رہا، میرے پاس سوائے زمزم کے کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ اس کے باوجود میں زمزم کی برکت سے موٹا ہو گیا۔ میرے پیٹ کی سلوٹیں ختم ہو گئیں۔ مجھے بھوک کا بالکل احساس نہیں ہوتا تھا۔ ایک رات جب حرم میں کوئی طواف کرنے والا نہیں تھا، اللہ کے رسول ایک ساتھی (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ وہاں آئے اور بیت اللہ کا طواف کرنے لگے۔ اس کے بعد آپ نے اور آپ کے ساتھی نے نماز پڑھی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو میں آپ کے نزدیک چلا گیا اور بولا:

''السلام علیک یا رسول اللہ، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

میں نے محسوس کیا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہو گئے۔ پھر آپ نے مجھ سے پوچھا:

''تم کون ہو۔''

میں نے جواب میں کہا:

"جی میں غفار قبیلے کا ہوں۔"

آپ نے پوچھا:

"یہاں کب سے آئے ہوئے ہو؟"

میں نے عرض کیا:

"تیس دن اور تیس راتوں سے یہاں ہوں۔"

آپ نے پوچھا:

"تمہیں کھانا کون کھلاتا ہے؟"

میں نے عرض کیا:

"میرے پاس سوائے زمزم کے کوئی کھانا نہیں، اس کو پی پی کر میں موٹا ہو گیا ہوں، یہاں تک کہ میرے پیٹ کی سلوٹیں تک ختم ہو گئی ہیں اور مجھے بھوک کا بالکل احساس نہیں ہوتا۔"

آپ نے فرمایا:

"مبارک ہو، یہ زمزم بہترین کھانا اور ہر بیماری کی دوا ہے۔"

زمزم کے بارے میں احادیث میں آتا ہے، اگر تم آبِ زمزم کو اس نیت سے پیو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے ذریعے بیماریوں سے شفا عطا فرمائے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماتا ہے اور اگر اس نیت سے پیا جائے کہ اس کے ذریعے پیٹ بھر جائے اور بھوک نہ رہے تو آدمی شکم سیر ہو جاتا ہے اور اگر اس نیت سے پیا جائے کہ پیاس کا اثر باقی نہ رہے تو پیاس ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو سیراب کیا تھا۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جی بھر کر زمزم کا پانی پینا اپنے آپ کو نفاق سے دور کرنا ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ہم میں اور منافقوں میں یہ فرق ہے کہ وہ لوگ زمزم سے سیرابی حاصل نہیں کرتے۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی... کہا جاتا ہے، ابوذر غفاری

اسلام میں پہلے آدمی ہیں، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی سلام کے الفاظ کے مطابق سلام کیا۔ ان سے پہلے کسی نے آپ کو ان الفاظ میں سلام نہیں کہا تھا۔

اب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے آپ سے اس بات پر بیعت کی کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں گھبرائیں گے اور یہ کہ ہمیشہ حق اور سچی بات کہیں گے، چاہے حق سننے والے کے لیے کتنا ہی کڑوا کیوں نہ ہو۔

یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ملک شام کے علاقے میں ہجرت کر گئے تھے۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انہیں شام سے واپس بلا لیا گیا اور پھر یہ ربذہ کے مقام پر آ کر رہنے لگے تھے۔ ربذہ کے مقام پر ہی ان کی وفات ہوئی تھی۔

ان کے ایمان لانے کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ جب یہ مکہ معظّمہ آئے تو ان کی ملاقات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملوایا تھا۔

ابوذر کہتے ہیں:

"بیعت کرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ساتھ لے گئے۔ ایک جگہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دروازہ کھولا، ہم اندر داخل ہوئے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمیں انگور پیش کیے۔ اس طرح یہ پہلا کھانا تھا جو میں نے مکہ میں آنے کے بعد کھایا۔"

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"اے ابوذر! اس معاملے کو ابھی چھپائے رکھنا، اب تو تم اپنی قوم میں واپس جاؤ اور انہیں بتاؤ تا کہ وہ لوگ میرے پاس آ سکیں، پھر جب تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے خود اپنے معاملے کا کھلم کھلا اعلان کر دیا ہے تو اس وقت تم ہمارے پاس آ جانا۔"

آپ کی بات سن کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بولے:

''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو سچائی دے کر بھیجا، میں ان لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر پکار پکار کر اعلان کروں گا۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ''میں ایمان لانے والے دیہاتی لوگوں میں سے پانچواں آدمی تھا۔'' غرض جس وقت قریش کے لوگ حرم میں جمع ہوئے، انہوں نے بلند آواز میں چلا کر کہا:

''میں گواہی دیتا ہوں، سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔''

بلند آواز میں یہ اعلان سن کر قریشیوں نے کہا:

''اس بددین کو پکڑ لو۔''

انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا اور بے انتہا مارا۔ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں، وہ لوگ ان پر چڑھ دوڑے۔ پوری قوت سے انہیں مارنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ درمیان میں آ گئے، وہ ان پر جھک گئے اور قریشیوں سے کہا:

''تمہارا برا ہو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ شخص قبیلہ غفار سے ہے، ان کا علاقہ تمہاری تجارت کا راستہ ہے۔''

ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ قبیلہ غفار کے لوگ تمہارا راستہ بند کر دیں گے۔ اس پر ان لوگوں نے انہیں چھوڑ دیا۔

ابوذر فرماتے ہیں، اس کے بعد میں زمزم کے کنویں کے پاس آیا، اپنے بدن سے خون دھویا، اگلے دن میں نے پھر اعلان کیا:

''میں گواہی دیتا ہوں، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

انہوں نے پھر مجھے مارا۔ اس روز بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی نے مجھے ان سے

چھوڑ آیا۔ پھر میں وہاں سے واپس روانہ ہوا اور اپنے بھائی انیس کے پاس آیا...

☆☆☆

خواب سچا ہے

انیس نے مجھ سے کہا:

''تم کیا کر آئے ہو؟''

میں نے جواب دیا:

''مسلمان ہو گیا ہوں اور میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر دی ہے۔''

اس پر انیس نے کہا:

''میں بھی بتوں سے بے زار ہوں اور اسلام قبول کر چکا ہوں۔''

اس کے بعد ہم دونوں اپنی والدہ کے پاس آئے تو وہ بولیں:

''مجھے پچھلے دین سے کوئی دلچسپی نہیں رہی، میں بھی اسلام قبول کر چکی ہوں، اللہ کے رسول کی تصدیق کر چکی ہوں۔''

اس کے بعد ہم اپنی قوم غفار کے پاس آئے۔ ان سے بات کی، ان میں سے آدھے تو اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ باقی لوگوں نے کہا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے، ہم اس وقت مسلمان ہوں گے، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو قبیلہ غفار کے باقی لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔

ان حضرات نے جو یہ کہا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے، ہم

اس وقت مسلمان ہوں گے تو ان کے یہ کہنے کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا:

''میں نخلستان یعنی کھجوروں کے باغ کی سرزمین میں جاؤں گا، جو یثرب کے سوا کوئی نہیں ہے، تو کیا تم اپنی قوم کو یہ خبر پہنچا دو گے۔ ممکن ہے، اس طرح تمہارے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو فائدہ پہنچادے اور تمہیں ان کی وجہ سے اجر ملے۔''

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبیلہ اسلم کے لوگ آئے۔ انہوں نے آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہم بھی اسی بات پر مسلمان ہوتے ہیں جس پر ہمارے بھائی قبیلہ غفار کے لوگ مسلمان ہوئے ہیں۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ غفار کے لوگوں کی مغفرت فرمائے اور قبیلہ اسلم کو اللہ سلامت رکھے۔''

یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حج کے لیے مکہ گئے۔ طواف کے دوران کعبے کے پاس ٹھہر گئے۔ لوگ ان کے چاروں طرف جمع ہوگئے۔ اس وقت انہوں نے لوگوں سے کہا:

''بھلا بتاؤ تو! تم میں سے کوئی سفر میں جانے کا ارادہ کرتا ہے تو کیا وہ سفر کا سامان ساتھ نہیں لیتا؟''

لوگوں نے کہا:

''بے شک! ساتھ لیتا ہے۔''

تب آپ نے فرمایا:

''تو پھر یاد رکھو! قیامت کا سفر دنیا کے ہر سفر سے کہیں زیادہ لمبا ہے اور جس کا تم یہاں ارادہ کرتے ہو، اسی لیے اپنے ساتھ اس سفر کا وہ سامان لے لو جو تمہیں فائدہ پہنچائے۔''

لوگوں نے پوچھا:

''ہمیں کیا چیز فائدہ پہنچائے گی؟''

حضرت ابوذر غفاری بولے:

''بلند مقصد کے لیے حج کرو، قیامت کے دن کا خیال کر کے ایسے دنوں میں روزے رکھو جو سخت گرمی کے دن ہوں گے اور قبر کی وحشت اور اندھیرے کا خیال کرتے ہوئے، رات کی تاریکی میں اٹھ کر نمازیں پڑھو۔''

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ کہا جاتا ہے، دیہات کے لوگوں میں سے مسلمان ہونے والوں میں یہ تیسرے یا چوتھے آدمی تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ پانچویں تھے۔ یہ اپنے بھائیوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔

ان کے اسلام لانے کا واقعہ یوں ہے کہ انہوں نے خواب میں جہنم کو دیکھا۔ اس کی آگ بہت خوفناک انداز میں بھڑک رہی تھی۔ یہ خود جہنم کے کنارے کھڑے تھے۔ خواب میں انہوں نے دیکھا کہ ان کا باپ انہیں جہنم میں دھکیلنا چاہتا ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا دامن پکڑ کر انہیں دوزخ میں گرنے سے روک رہے ہیں۔ اسی وقت گھبراہٹ کے عالم میں ان کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے فوراً کہا:

''میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ خواب سچا ہے۔''

ساتھ ہی انہیں یقین ہو گیا کہ جہنم سے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بچا سکتے ہیں۔ فوراً ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انہیں اپنا خواب سنایا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اس خواب میں تمہاری بھلائی اور خیر پوشیدہ ہے، اللہ کے رسول موجود ہیں، ان کی پیروی کرو۔''

چنانچہ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ فوراً ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے آپ سے پوچھا:

''اے محمد! آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں۔''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''میں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، کوئی اس کے برابر کا نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور تم جو یہ پتھروں کی عبادت کرتے ہو، اس کو چھوڑ دو۔ یہ پتھر نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں، نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔''

یہ سنتے ہی حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ ان کے والد کا نام سعید بن عاص تھا۔ اسے بیٹے کے اسلام قبول کرنے کا پتا چلا تو آگ بگولا ہو گیا۔ بیٹے کو کوڑے سے مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اتنے کوڑے مارے کہ کوڑا ٹوٹ گیا۔ پھر اس نے کہا:

''تو نے محمد کی پیروی کی، حالانکہ تو جانتا ہے، وہ پوری قوم کے خلاف جا رہا ہے، وہ اپنی قوم کے معبودوں کو برا کہتا ہے۔''

یہ سن کر حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ بولے:

''اللہ کی قسم! وہ جو پیغام لے کر آئے ہیں، میں نے اس کو قبول کر لیا ہے۔''

اس جواب پر وہ اور غضب ناک ہوا اور بولا:

''خدا کی قسم! میں تیرا کھانا پینا بند کر دوں گا۔''

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''اگر آپ میرا کھانا پینا بند کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ مجھے روٹی دینے والا ہے۔''

تنگ آ کر سعید نے بیٹے کو گھر سے نکال دیا۔ ساتھ ہی اپنے باقی بیٹوں سے کہا:

''اگر تم میں سے کسی نے بھی اس سے بات چیت کی، میں اس کا بھی یہی حشر کروں گا۔''

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ گھر سے نکل کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے۔ اس کے بعد وہ آپ کے ساتھ ہی رہنے لگے۔ باپ سے بالکل بے تعلق ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب مسلمانوں نے کافروں کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کی

طرف ہجرت کی تو یہ ہجرت کرنے والوں میں سے پہلے آدمی تھے۔

ایک مرتبہ ان کا باپ بیمار ہوا۔ اس وقت اس نے قسم کھائی، اگر خدا نے مجھے اس بیماری سے صحت دے دی تو میں مکّہ میں کبھی محمد کے خدا کی عبادت نہیں ہونے دوں گا۔''

باپ کی یہ بات حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے کہا:

''اے اللہ! اسے اس مرض سے کبھی نجات نہ دینا۔''

چنانچہ ان کا باپ اسی مرض میں مرگیا... خالد بن سعید رضی اللہ عنہ پہلے آدمی ہیں، جنہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی۔

ان کے بعد ان کے بھائی عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے۔ ان کے مسلمان ہونے کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے خواب میں ایک نور دیکھا... نور زمزم کے پاس سے نکلا، اور اس سے مدینے کے باغ تک روشن ہوگئے اور اتنے روشن ہوئے کہ ان میں تازہ کھجوریں نظر آنے لگیں۔ انہوں نے یہ خواب لوگوں سے بیان کیا تو ان سے کہا گیا، زمزم عبدالمطلب کے خاندان کا کنواں ہے اور یہ نور بھی انہی میں سے ظاہر ہوگا، پھر جب ان کے بھائی خالد رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے تو انہیں خواب کی حقیقت نظر آنے لگی، چنانچہ یہ بھی مسلمان ہوگئے۔ ان کے علاوہ سعید کی اولاد میں سے ریان اور حکم بھی مسلمان ہوئے۔ حکم کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا۔

اسی طرح ابتدائی دنوں میں مسلمان ہونے والوں میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کا باپ ایران کے بادشاہ کسریٰ کا گورنر تھا۔ ایک مرتبہ قیصر کی فوجوں نے اس کے علاقے پر حملہ کیا۔ اس لڑائی میں صہیب رضی اللہ عنہ گرفتار ہوگئے۔ انہیں غلام بنالیا گیا۔ اس وقت یہ بچے تھے، چنانچہ یہ غلامی کی حالت میں ہی روم میں پلے بڑھے، وہیں جوان ہوئے۔ پھر عرب کے کچھ لوگوں نے انہیں خرید لیا اور فروخت کرنے کے لیے مکّہ کے قریب عکاظ کے بازار میں لے آئے۔ اس بازار میں میلہ لگتا تھا، اس میلے میں غلاموں کی خرید وفروخت ہوتی تھی۔ میلے سے انہیں ایک شخص عبداللہ بن جدعان نے خرید لیا۔ اس

طرح یہ مکہ میں غلامی کی زندگی گزار رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو گیا۔ ان کے دل میں آئی کہ جا کر ان کی بات تو سنوں... یہ سوچ کر گھر سے نکلے۔ راستے میں ان کی ملاقات عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے ان سے پوچھا:

''صہیب کہاں جا رہے ہو؟''

یہ فوراً بولے:

''میں محمد کے پاس جا رہا ہوں تاکہ ان کی بات سنوں اور دیکھوں... وہ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں۔''

یہ سن کر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بولے:

''میں بھی اسی ارادے سے گھر سے نکلا ہوں۔''

یہ سن کر صہیب رضی اللہ عنہ بولے:

''تب پھر اکٹھے ہی چلتے ہیں۔''

اب دونوں ایک ساتھ قدم اٹھانے لگے۔

☆☆☆

اسلام کا پہلا مرکز

حضرت صہیب اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دونوں کو اپنے پاس بٹھایا۔ جب یہ بیٹھ گئے تو آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن پاک کی جو آیات آپ پر اس وقت تک نازل ہو چکی تھیں، وہ پڑھ کر سنائیں۔ ان دونوں نے اسی وقت اسلام قبول کرلیا۔ اسی روز شام تک یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے۔ شام کو دونوں چپکے سے چلے آئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سیدھے اپنے گھر پہنچے تو ان کے ماں باپ نے ان سے پوچھا کہ دن بھر کہاں تھے۔ انہوں نے فوراً ہی بتا دیا کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے ان کے سامنے بھی اسلام پیش کیا اور اس دن انہوں نے قرآن پاک کا جو حصہ یاد کیا تھا، وہ ان کے سامنے تلاوت کیا۔ ان دونوں کو یہ کلام بے حد پسند آیا۔ دونوں فوراً ہی بیٹے کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ اسی بنیاد پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو الطیب المطیب کہا کرتے تھے یعنی پاک باز اور پاک کرنے والے۔

اسی طرح حضرت عمران رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو کچھ عرصے بعد ان کے والد حضرت حصین رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے کی تفصیل یوں ہے:

ایک مرتبہ قریش کے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آئے۔ ان

میں حضرت حصین رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ قریش کے لوگ تو باہر رہ گئے، حصین رضی اللہ عنہ اندر چلے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

''ان بزرگ کو جگہ دو۔''

جب یہ بیٹھ گئے، تب حضرت حصین رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یہ آپ کے بارے میں ہمیں کیسی باتیں معلوم ہو رہی ہیں، آپ ہمارے معبودوں کو بُرا کہتے ہیں؟''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے حصین! آپ کتنے معبودوں کو پوجتے ہیں۔''

حضرت حصین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''ہم سات معبودوں کی عبادت کرتے ہیں، ان میں سے چھ تو زمین پر ہیں، ایک آسمان پر۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''اور اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو پھر آپ کس سے دعا مانگتے ہیں؟''

حضرت حصین رضی اللہ عنہ بولے:

''اس صورت میں ہم اس سے دُعا مانگتے ہیں جو آسمان میں ہے۔''

یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا:

''وہ تو تنہا تمہاری دعائیں سن کر پوری کرتا ہے اور تم اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرتے ہو۔ اے حصین! کیا تم اپنے اس شرک سے خوش ہو، اسلام قبول کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی دے گا۔''

حضرت حصین رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی مسلمان ہو گئے۔ اسی وقت ان کے بیٹے عمران رضی اللہ عنہ اٹھ کر باپ کی طرف بڑھے اور ان سے لپٹ گئے۔

اس کے بعد حضرت حصین رضی اللہ عنہ نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے اپنے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''انہیں ان کے گھر تک پہنچا کر آئیں۔''

حضرت حصین رضی اللہ عنہ جب دروازے سے باہر نکلے تو وہاں قریش کے لوگ موجود تھے۔ انہیں دیکھتے ہی بولے:

''لو یہ بھی بے دین ہو گیا۔''

اس کے بعد وہ سب لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور صحابہ کرام نے حضرت حصین رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر تک پہنچایا۔

اسی طرح تین سال تک نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم خفیہ طور پر تبلیغ کرتے رہے۔ اس دوران جو شخص بھی مسلمان ہوتا تھا، وہ مکّہ کی گھاٹیوں میں چھپ کر نمازیں ادا کرتا تھا۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کچھ دوسرے صحابہ کے ساتھ مکّہ کی ایک گھاٹی میں تھے کہ اچانک وہاں قریش کی ایک جماعت پہنچ گئی۔ اس وقت یہ صحابہ نماز پڑھ رہے تھے۔ مشرکوں کو یہ دیکھ کر بہت غصہ آیا، وہ ان پر چڑھ دوڑے، ساتھ میں بُرا بھلا بھی کہہ رہے تھے، ایسے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک کو پکڑ لیا اور اس کو ایک ضرب لگائی۔ اس سے اس کی کھال پھٹ گئی، خون بہہ نکلا۔ یہ پہلا خون ہے جو اسلام کے نام پر بہایا گیا۔

اب قریشی دشمنی پر اُتر آئے۔ اس بنا پر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف لے آئے تا کہ دشمنوں سے بچاؤ رہے۔ اس طرح حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا یہ مکان اسلام کا پہلا مرکز بنا۔ اس مکان کو دارِ ارقم کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دارِ ارقم میں تشریف لانے سے پہلے لوگوں کی ایک جماعت مسلمان ہو چکی تھی۔ اب نماز دارِ ارقم میں ادا ہونے لگی۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہیں نماز پڑھاتے، وہیں بیٹھ کر عبادت کرتے اور مسلمانوں کو دین کی تعلیم دیتے۔ اس طرح تین سال گزر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلانیہ تبلیغ کا حکم فرمایا۔ اعلانیہ تبلیغ کی

ابتدا بھی دارِارقم ہی سے ہوئی، پہلے آپ یہاں خفیہ طور پر دعوت دیتے رہے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء میں آپ کو حکم فرمایا:

''اور آپ اپنے نزدیک کے اہل خاندان کو ڈرائیے۔''

یہ حکم ملتے ہی آپ کافی پریشان ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ کی پھوپھیوں نے خیال کیا کہ آپ کچھ بیمار ہیں، چنانچہ وہ آپ کی بیمار پرسی کے لیے آپ کے پاس آئیں۔ تب آپ نے ان سے فرمایا:

''میں بیمار نہیں ہوں بلکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتے داروں کو آخرت کے عذاب سے ڈراؤں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تمام بنی عبدالمطلب کو جمع کروں اور انہیں اللہ کی طرف آنے کی دعوت دوں۔''

یہ سن کر آپ کی پھوپھیوں نے کہا:

''ضرور جمع کریں مگر ابولہب کو نہ بلائیے گا، کیونکہ وہ ہرگز آپ کی بات نہیں مانے گا۔''

ابولہب کا دوسرا نام عبدالعزیٰ تھا۔ یہ آپ کا چچا تھا اور بہت خوب صورت تھا مگر بہت سنگدل اور مغرور تھا۔

دوسرے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبدالمطلب کے پاس دعوت بھیجی۔ اس پر وہ سب آپ کے ہاں جمع ہوگئے۔ ان میں ابولہب بھی تھا۔ اس نے کہا:

''یہ تمہارے چچا اور ان کی اولادیں جمع ہیں، تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو، کہو اور اپنی بے دینی کو چھوڑ دو۔ ساتھ ہی تم یہ بھی سمجھ لو کہ تمہاری قوم میں یعنی ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تمہاری خاطر سارے عربوں سے دشمنی لے سکیں، لہٰذا اگر تم اپنے معاملے پر اڑے رہے تو خود تمہارے خاندان والوں ہی کا سب سے زیادہ فرض ہوگا کہ تمہیں پکڑ کر قید کر دیں، کیونکہ قریش کے تمام خاندان اور قبیلے تم پر چڑھ دوڑیں، اس سے تو یہی بہتر ہوگا کہ ہم ہی تمہیں قید کر دیں۔ اور میرے بھتیجے! حقیقت یہ ہے کہ تم نے جو چیز اپنے رشتے داروں کے سامنے پیش کی ہے، اس سے بدتر چیز کسی اور شخص نے آج تک پیش نہیں کی ہوگی۔''

آپ نے اس کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی اور حاضرین کو اللہ کا پیغام سنایا۔ آپ نے فرمایا:

''اے قریش! کہو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔''

آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا:

''اے قریش! اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔''

وہاں صرف آپ کے رشتے دار ہی جمع نہیں تھے بلکہ قریش کے دوسرے قبیلے بھی موجود تھے۔ اس لیے آپ نے ان کے قبیلوں کے نام لے لے کر انہیں مخاطب فرمایا، یعنی آپ نے یہ الفاظ ادا فرمائے:

''اے بنی ہاشم! اپنی جانوں کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ۔ اے بنی عبد شمس! اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے بنی عبد مناف، اے بنی زہرہ، اے کعب بن لوی، اے بنی مرہ بن کعب اپنی جانوں کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ۔ اے صفیہ! محمد کی پھوپھی، اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔''

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ الفاظ بھی فرمائے:

''نہ میں دنیا میں تمہیں فائدہ پہنچا سکتا ہوں، نہ آخرت میں کوئی فائدہ پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں۔ سوائے اس صورت کے کہ تم کہو لا الہ الا اللہ۔ چونکہ تمہاری مجھ سے رشتے داری ہے، اس لیے اس کے بھروسے پر کفر اور شرک کے اندھیروں میں گم نہ رہنا۔''

اس پر ابولہب آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے تلملا کر کہا:

''تو ہلاک ہو جائے، کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا۔''

پھر سب لوگ چلے گئے۔

☆☆☆

اسلام کی تبلیغ

اس کے بعد کچھ دن تک آپ خاموش رہے۔ پھر آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ انہوں نے آپ کو اللہ کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو ہر طرف پھیلا دینے کا حکم سنایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ لوگوں کو جمع فرمایا۔ ان کے سامنے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں خاص طور پر تمہاری طرف اور عام طور پر سارے انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اللہ کی قسم تم جس طرح جاگتے ہو، اسی طرح ایک دن حساب کتاب کے لیے دوبارہ جگائے جاؤ گے۔ پھر تم جو کچھ کر رہے ہو، اس کا حساب تم سے لیا جائے گا۔ اچھائیوں اور نیک اعمال کے بدلے میں تمہیں اچھا بدلہ ملے گا اور برائی کا بدلہ برا ملے گا، وہاں بلاشبہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت ہے یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے۔ اللہ کی قسم اے بنی عبدالمطلب! میرے علم میں ایسا کوئی نوجوان نہیں جو اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر اور اعلیٰ کوئی چیز لے کر آیا ہو۔ میں تمہارے واسطے دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبے کو سن کر ابولہب نے سخت ترین انداز میں کہا:

''اے بنی عبدالمطلب! اللہ کی قسم! یہ ایک فتنہ ہے، اس سے پہلے کہ کوئی دوسرا اس پر

ہاتھ ڈالے، بہتر یہ ہے کہ تم ہی اس پر قابو پالو، یہ معاملہ ایسا ہے کہ اگر تم اس کی بات سن کر مسلمان ہو جاتے ہو تو یہ تمہارے لیے ذلت ورسوائی کی بات ہوگی۔ اگر تم اسے دوسرے دشمنوں سے بچانے کی کوشش کرو گے تو تم خود قتل ہو جاؤ گے۔''

اس کے جواب میں اس کی بہن یعنی نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''بھائی! کیا اپنے بھتیجے کو اس طرح رسوا کرنا تمہارے لیے مناسب ہے اور پھر اللہ کی قسم! بڑے بڑے عالم یہ خبریں دیتے آرہے ہیں کہ عبدالمطلب کے خاندان میں سے ایک نبی ظاہر ہونے والے ہیں، لہٰذا میں تو کہتی ہوں، یہی وہ نبی ہیں۔''

ابولہب کو یہ سن کر غصہ آیا، بولا:

''اللہ کی قسم! یہ بالکل بکواس اور گھروں میں بیٹھنے والی عورت کی باتیں ہیں۔ جب قریش کے خاندان ہم پر چڑھائی کر کے آئیں گے اور سارے عرب ان کا ساتھ دیں گے تو ان کے مقابلے میں ہماری کیا چلے گی۔ خدا کی قسم ان کے لیے ہم ایک تر نوالے کی حیثیت ہوں گے۔''

اس پر ابوطالب بول اُٹھے:

''اللہ کی قسم! جب تک ہماری جان میں جان ہے، ہم ان کی حفاظت کریں گے۔''

اب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور تمام قریش کو اسلام کی دعوت دی۔ ان سب سے فرمایا:

''اے قریش! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آرہا ہے اور وہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم مجھے جھوٹا خیال کرو گے۔''

سب نے ایک زبان ہو کر کہا:

''نہیں! اس لیے کہ ہم نے آپ کو آج تک جھوٹ بولتے ہوئے نہیں سنا۔''

اب آپ نے فرمایا:

''اے گروہِ قریش! اپنی جانوں کو جہنم سے بچاؤ، اس لیے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا، میں تمہیں اس زبردست عذاب سے صاف ڈرا رہا ہوں جو سامنے ہے، میں تم لوگوں کو دو کلمے کہنے کی دعوت دیتا ہوں، جو زبان سے کہنے میں بہت ہلکے ہیں، لیکن ترازو میں بے حد وزن والے ہیں، ایک اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، دوسرے یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اب تم میں سے کون ہے جو میری اس بات کو قبول کرتا ہے۔''

آپ کے خاموش ہونے پر ان سب میں سے کوئی نہ بولا تو آپ نے اپنی بات پھر دہرائی، پھر آپ نے تیسری بار اپنی بات دہرائی مگر اس بار بھی سب خاموش کھڑے رہے۔ اتنا ہوا کہ سب نے آپ کی بات خاموشی سے سن لی اور واپس چلے گئے۔

ایک دن قریش کے لوگ مسجد حرام میں جمع تھے، بتوں کو سجدے کر رہے تھے، آپ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

''اے گروہِ قریش! اللہ کی قسم! تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے راستے سے ہٹ گئے ہو۔''

آپ کی بات کے جواب میں قریش بولے:

''ہم اللہ تعالیٰ کی محبت ہی میں بتوں کو پوجتے ہیں تاکہ اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے قریب ہو سکیں۔''

(افسوس! آج کل ان گنت لوگ بھی قبروں کو سجدہ بالکل اسی خیال سے کرتے ہیں اور خود کو مسلمان کہتے ہیں)

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کے جواب میں وحی نازل فرمائی:

ترجمہ: آپ فرما دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ (سورۃ آلِ عمران: آیت 31)

قریش کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔ انہوں نے ابوطالب سے شکایت کی:

''ابوطالب! تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو بُرا کہا ہے، ہمارے دین میں عیب نکالے ہیں، ہمیں بے عقل ٹھہرایا ہے، اس نے ہمارے باپ دادا تک کو گمراہ کہا ہے، اس لیے یا تو ہماری طرف سے آپ اس سے نبٹیے یا ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیے، کیونکہ خود آپ بھی اسی دین پر چلتے ہیں جو ہمارا ہے اور اس کے دین کے آپ بھی خلاف ہیں۔''

ابوطالب نے انہیں نرم الفاظ میں یہ جواب دے کر واپس بھیج دیا کہ

اچھا میں انہیں سمجھاؤں گا۔

ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت جبرئیل نہایت حسین شکل وصورت میں بہترین خوشبو لگائے ظاہر ہوئے اور بولے:

''اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ آپ تمام جنوں اور انسانوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اس لیے انہیں کلمہ لا الہ الا اللہ کی طرف بلائیے۔

یہ حکم ملتے ہی آپ نے قریش کو براہ راست تبلیغ شروع کر دی اور حالت اس وقت یہ تھی کہ کافروں کے پاس پوری طاقت تھی اور وہ آپ کی پیروی کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں تھے، کفر اور شرک ان کے دلوں میں بسا ہوا تھا۔ بتوں کی محبت ان کے اندر سرایت کر چکی تھی۔ ان کے دل اس شرک اور گمراہی کے سوا کوئی چیز بھی قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ شرک کی یہ بیماری لوگوں میں پوری طرح سما چکی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا یہ سلسلہ جب بہت بڑھ گیا تو قریش کے درمیان ہر وقت آپ ہی کا ذکر ہونے لگا۔ وہ لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر آپ سے دشمنی پر اُتر آئے۔ آپ کے قتل کے منصوبے بنانے لگے۔ یہاں تک سوچنے لگے کہ آپ کا معاشرتی بائیکاٹ کر دیا جائے، لیکن یہ لوگ پہلے ایک بار پھر ابوطالب کے پاس گئے اور ان

سے بولے:

"ابو طالب! ہمارے درمیان آپ بڑے قابل، عزت دار اور بلند مرتبہ آدمی ہیں، ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو روکیے، مگر آپ نے کچھ نہیں کیا، ہم لوگ یہ بات برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے معبودوں کو اور باپ داداؤں کو برا کہا جائے۔ ہمیں بے عقل کہا جائے۔ آپ انہیں سمجھالیں ورنہ ہم آپ سے اور ان سے اس وقت تک مقابلہ کریں گے جب تک کہ دونوں فریقوں میں سے ایک ختم نہ ہو جائے۔

☆☆☆

قتل کی کوشش

قریش تو یہ کہہ کر چلے گئے، ابو طالب پریشان ہو گئے۔ وہ اپنی قوم کے غصے سے اچھی طرح واقف تھے۔ دوسری طرف وہ اس بات کو پسند نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی شخص بھی حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو رسوا کرنے کی کوشش کرے، اس لیے انہوں نے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کہا:

''بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے، انہوں نے مجھ سے یہ، یہ کہا ہے، اس لیے اپنے اوپر اور مجھ پر رحم کرو اور مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اٹھا نہ سکوں۔''

ابو طالب کی اس گفتگو سے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خیال کیا کہ اب چچا ان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں، وہ بھی اب آپ کی مدد نہیں کرنا چاہتے، آپ کی حفاظت سے ہاتھ اٹھا رہے ہیں، اس لیے آپ نے فرمایا:

''چچا جان! اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور یہ کہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں، تو بھی میں ہرگز اسے نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ ہی اس کو ظاہر فرما دیں۔''

یہ کہتے ہوئے آپ کی آواز بھرا گئی۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر آپ اٹھ کر جانے لگے، لیکن اسی وقت ابو طالب نے آپ کو پکارا:

''بھتیجے! ادھر آؤ۔''

آپ ان کی طرف مڑے تو انہوں نے کہا:

''جاؤ بھتیجے! جو دل چاہے کہو، اللہ کی قسم میں تمہیں کسی حال میں نہیں چھوڑوں گا۔''

جب قریش کو اندازہ ہو گیا کہ ابو طالب آپ کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں تو وہ عمارہ بن ولید کو ساتھ لے کر ابو طالب کے پاس آئے اور بولے:

''ابو طالب! یہ عمارہ بن ولید ہے۔ قریش کا سب سے زیادہ بہادر، طاقت ور اور سب سے زیادہ حسین نوجوان ہے۔ تم اسے لے کر اپنا بیٹا بنا لو اور اس کے بدلے میں اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو، اس لیے کہ وہ تمہارے اور تمہارے باپ دادا کے دین کے خلاف جا رہا ہے، اس نے تمہاری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ان کی عقلیں خراب کر دی ہیں۔ تم اسے ہمارے حوالے کر دو تا کہ ہم اسے قتل کر دیں... انسان کے بدلے میں ہم تمہیں انسان دے رہے ہیں۔''

قریش کی یہ بے ہودہ تجویز سن کر ابو طالب نے کہا:

''اللہ کی قسم! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ کوئی اونٹنی اپنے بچے کو چھوڑ کر کسی دوسرے بچے کی آرزو مند ہو سکتی ہے۔''

ان کا جواب سن کر مطعم بن عدی نے کہا:

''ابو طالب! تمہاری قوم نے تمہارے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا ہے اور جو بات تمہیں ناپسند ہے، اس سے چھٹکارے کے لیے کوشش کی ہے۔ اب میں نہیں سمجھتا کہ اس کے بعد تم ان کی کوئی اور پیش کش قبول کرو گے۔''

جواب میں ابو طالب بولے:

''اللہ کی قسم! انہوں نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ بلکہ تم سب نے مل کر مجھے رسوا کرنے اور میرے خلاف گٹھ جوڑ کرنے کے لیے یہ سب کچھ کیا ہے، اس لیے اب جو تمہارے دل میں آئے کر لو۔''

بعد میں یہ شخص یعنی عمارہ بن ولید حبشہ میں کفر کی حالت میں مرا۔ اس پر جادو کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد یہ وحشت زدہ ہو کر جنگلوں اور گھاٹیوں میں مارا مارا پھرا کرتا تھا۔ اسی طرح دوسرا شخص مطعم بن عدی بھی کفر کی حالت میں مرا۔

غرض جب ابو طالب نے قریش کی یہ پیش کش بھی ٹھکرا دی تو معاملہ حد درجے سنگین ہو گیا۔ دوسری طرف ابو طالب نے قریش کے خطرناک ارادوں کو بھانپ لیا۔ انہوں نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بلایا، ان سے درخواست کی کہ سب مل کر آپ کی حفاظت کریں، آپ کا بچاؤ کریں۔ ان کی بات سن کر سوائے ابولہب کے سب تیار ہو گئے۔ ابو لہب نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ یہ بد بخت سختی کرنے اور آپ کے خلاف آواز اٹھانے سے باز نہ آیا۔ اسی طرح جو لوگ آپ پر ایمان لے آئے تھے، ان کی مخالفت میں بھی ابولہب ہی سب سے پیش پیش تھا۔ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو تکالیف پہنچانے میں بھی یہ قریش سے بڑھ چڑھ کر تھا۔

آپ کو تکالیف پہنچانے کے سلسلے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں، ایک روز میں مسجدِ حرام میں تھا کہ ابو جہل وہاں آیا اور بولا:

''میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں، اگر میں محمد کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ لوں، تو میں ان کی گردن مار دوں۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، یہ سن کر میں فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گیا اور آپ کو بتایا کہ ابو جہل کیا کہہ رہا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر غصے کی حالت میں باہر نکلے اور تیز تیز چلتے مسجد الحرام میں داخل ہو گئے، یہاں تک کہ گزرتے وقت آپ کو دیوار کی رگڑ لگ گئی۔ اس وقت آپ سورۃ العلق کی آیت 1، 2 پڑھ رہے تھے:

''ترجمہ: اے پیغمبر آپ اپنے رب کا نام لے کر (قرآن) پڑھا کیجیے! وہ جس نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ جس نے انہیں خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔''

تلاوت کرتے ہوئے آپ اس سورۃ کی آیت 6 تک پہنچ گئے:

''ترجمہ: سچ مچ بے شک کافر آدمی حد سے نکل جاتا ہے۔''

یہاں تک کہ آپ نے سورۃ کا آخری حصہ پڑھا جہاں سجدے کی آیت ہے اور اس کے ساتھ ہی آپ سجدے میں گر گئے۔ اسی وقت کسی نے ابوجہل سے کہا:

''ابوالحکم! یہ محمد سجدے میں پڑے ہیں۔''

یہ سنتے ہی ابوجہل فوراً آپ کی طرف بڑھا، آپ کے نزدیک پہنچا، لیکن پھر اچانک واپس آ گیا۔ لوگوں نے حیران ہوکر پوچھا:

''ابوالحکم! کیا ہوا؟''

جواب میں اس نے اور زیادہ حیران ہوکر کہا:

''جو میں دیکھ رہا ہوں، کیا تمہیں وہ نظر نہیں آ رہا؟''

اس کی بات سن کر لوگ اور زیادہ حیران ہوئے اور بولے:

''تمہیں کیا نظر آ رہا ہے ابوالحکم؟''

اس پر ابوجہل نے کہا:

''مجھے اپنے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خندق نظر آ رہی ہے۔''

اسی طرح ایک دن ابوجہل نے کہا:

''اے گروہِ قریش! جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، محمد تمہارے دین میں عیب ڈال رہا ہے، تمہارے معبودوں کو برا کہہ رہا ہے، تمہاری عقلوں کو خراب بتا رہا ہے اور تمہارے باپ داداؤں کو گالیاں دے رہا ہے، اس لیے میں خدا کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ کل میں محمد کے لیے اتنا بڑا پتھر لے کر بیٹھوں گا، جس کا بوجھ وہ برداشت نہیں کر سکیں گے، جونہی وہ سجدے میں جائیں گے، میں وہ پتھر ان کے سر پر دے ماروں گا، اس کے بعد تم لوگوں کو اختیار ہے، چاہو تو اس معاملے میں میری مدد کرنا اور مجھے پناہ دینا، چاہو تو مجھے دشمنوں کے حوالے کر دینا، پھر بنی عبد مناف میرا جو بھی حشر کریں۔''

یہ سن کر قریش نے کہا:

''اللہ کی قسم! ہم تمہیں کسی قیمت پر دغا نہیں دیں گے، اس لیے جو تم کرنا چاہتے ہو، اطمینان سے کرو۔''

دوسرے دن ابوجہل اپنے پروگرام کے مطابق ایک بہت بھاری پتھر اٹھا لایا اور لگا نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا انتظار کرنے۔ ادھر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی عادت کے مطابق صبح کی نماز کے بعد وہاں تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ کا قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا۔ آپ نماز کے لیے رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کھڑے ہوا کرتے تھے، کعبے کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان کر لیا کرتے تھے۔ آپ نے آتے ہی نماز کی نیت باندھ لی۔ ادھر قریش کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیں آج کیا ہوتا ہے، ابوجہل اپنے پروگرام میں کامیاب ہوتا ہے یا نہیں۔

پھر جونہی آپ سجدے میں گئے، ابوجہل نے پتھر اٹھایا اور آپ کی طرف بڑھا۔ جیسے ہی وہ آپ کے نزدیک ہوا، ایک دم اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ گھبراہٹ کے عالم میں وہاں سے پیچھے ہٹ آیا۔ ادھر پتھر پر اس کے ہاتھ اس طرح جم گئے کہ اس نے چاہا، ہاتھ اس پر سے ہٹا لے، لیکن نہ ہٹا سکا۔ قریش کے لوگ فوراً اس کے گرد جمع ہو گئے اور بولے:

''ابوالحکم! کیا ہوا؟''

اس نے جواب دیا:

''میں نے رات کو تم سے جو کہا تھا، اس کو پورا کرنے کے لیے میں محمد کی طرف بڑھا مگر جیسے ہی ان کے قریب پہنچا، ایک جوان اونٹ میرے راستے میں آ گیا۔ میں نے اس جیسا زبردست اونٹ آج تک نہیں دیکھا۔ وہ ایک دم میری طرف بڑھا جیسے مجھے کھا لے گا۔''

جب اس واقعے کا ذکر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔ اگر وہ میرے نزدیک آتا تو وہ ضرور اسے پکڑ لیتے۔''

کڑی آزمائش

ایک روز حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل آپ کے پاس آیا اور بولا:

''کیا میں نے آپ کو اس سے منع نہیں کیا تھا، آپ جانتے نہیں، میں سب سے بڑے گروہ والا ہوں۔''

اس پر سورۃ العلق کی آیت 17، 18 نازل ہوئیں۔

ترجمہ: سو یہ اپنے گروہ کے لوگوں کو بلا لے، اگر اس نے ایسا کیا تو ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلالیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر ابوجہل اپنے گروہ کو بلاتا تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے فرشتے اسے پکڑ کر تہس نہس کر دیتے۔''

ایک روز ابوجہل حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے آیا اور آپ سے مخاطب ہوا:

''آپ کو معلوم ہے، میں بطحا والوں کا محافظ ہوں اور میں یہاں ایک شریف ترین شخص ہوں۔''

اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورہ دخان کی آیت 49 نازل فرمائی:

ترجمہ: چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے۔

آیت کا یہ جملہ دوزخ کے فرشتے ابوجہل کو دوزخ میں ڈالتے وقت اسے پھٹکارتے ہوئے کہیں گے۔

ابولہب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں آگے آگے تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں رکاوٹیں ڈالتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتا تھا۔ اس کی بیوی ام جمیل بھی اس کے ساتھ شامل تھی، وہ جنگل سے کانٹے دار لکڑیاں کاٹ کر لاتی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں بچھاتی، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ اللھب نازل فرمائی۔ اس میں ابولہب کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی عذاب کی خبر دی گئی۔ وہ غصے میں آگ بگولا ہوگئی، پتھر ہاتھ میں لیے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف بڑھی۔ اس وقت آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے ابولہب کی بیوی کو آتے دیکھا تو فرمایا:

''اللہ کے رسول! یہ عورت بہت زبان دراز ہے، اگر آپ یہاں ٹھہرے تو اس کی بد زبانی سے آپ کو تکلیف پہنچے گی۔''

ان کی بات سن کر حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''ابوبکر! فکر نہ کرو، وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔''

اتنے میں امّ جمیل نزدیک پہنچ گئی۔ اسے وہاں صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نظر آئے۔ وہ آتے ہی بولی:

''ابوبکر! تمہارے دوست نے مجھے ذلیل کیا ہے، کہاں ہے تمہارا دوست جو شعر پڑھتا ہے۔''

ابوبکر بولے:

''کیا تمہیں میرے ساتھ کوئی نظر آ رہا ہے؟''

''کیوں کیا بات ہے، مجھے تو تمہارے ساتھ کوئی نظر نہیں آ رہا۔''

انہوں نے پوچھا:

''تم ان کے ساتھ کیا کرنا چاہتی ہو؟''

جواب میں اس نے کہا:

''میں یہ پتھر اس کے منہ پر مارنا چاہتی ہوں، اس نے میری شان میں نازیبا شعر کہے ہیں۔'' وہ سورۃ اللھب کی آیات کو شعر سمجھ رہی تھی۔

اس پر انہوں نے کہا:

''نہیں! اللہ کی قسم! وہ شاعر نہیں ہیں۔ وہ تو شعر کہنا جانتے ہی نہیں، نہ انہوں نے تمہیں ذلیل کیا ہے۔''

یہ سن کر وہ واپس لوٹ گئی۔ بعد میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! وہ آپ کو دیکھ کیوں نہیں سکی۔''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''ایک فرشتے نے مجھے اپنے پروں میں چھپا لیا تھا۔''

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ جواب ارشاد فرمایا تھا:

''میرے اور اس کے درمیان ایک آڑ پیدا کر دی گئی تھی۔''

ابولہب کے ایک بیٹے کا نام عتبہ تھا اور دوسرے کا نام عتیبہ تھا۔ اعلان نبوّت سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیوں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح ابولہب کے ان دونوں بیٹوں سے کر دیا تھا۔ یہ صرف نکاح ہوا تھا، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ اسلام کا آغاز ہوا اور سورۂ لہب نازل ہوئی تو ابولہب نے غصے میں آ کر اپنے بیٹوں سے کہا:

''اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دو گے تو میں تمہارا چہرہ نہیں دیکھوں گا۔''

چنانچہ ان دونوں نے انہیں طلاق دے دی۔ (دیکھا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کے لیے اس میں حکمت تھی گویا اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ پاک صاحب زادیاں عتبہ اور عتیبہ کے ہاں نہ جاسکیں۔) یہ رشتہ اسلام دشمنی کی بنیاد پر ختم کیا گیا، یعنی آپ دونوں چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیاں تھیں، اس لیے یہ قدم اٹھایا گیا۔

اس موقع پر عتیبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ کی شان میں گستاخی کی۔ آپ صاحب زادی کی وجہ سے پہلے ہی غمگین تھے، ان حالات میں آپ نے اس کے حق میں بد دعا فرمائی:

''اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلّط فرما دے۔''

عتیبہ یہ بد دعا سن کر وہاں سے لوٹ آیا، اس نے اپنے باپ ابولہب کو سارا حال سنایا۔ اس کے بعد دونوں باپ بیٹا ایک قافلے کے ساتھ ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں یہ لوگ ایک جگہ ٹھہرے۔ وہاں قریب ہی ایک راہب کی عبادت گاہ تھی۔ راہب ان کے پاس آیا۔ اس نے انہیں بتایا:

''اس علاقے میں جنگلی درندے رہتے ہیں۔''

ابولہب یہ سن کر خوف زدہ ہو گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا یاد آ گئی۔ اس نے قافلے والوں سے کہا:

''تم لوگ میری حیثیت سے باخبر ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ میرا تم پر کیا حق ہے۔''

انہوں نے ایک زبان ہو کر کہا:

''بے شک ہمیں معلوم ہے۔''

ابولہب یہ سن کر بولا:

''تب پھر تم ہماری مدد کرو، میں محمد کی بد دعا کی وجہ سے خوف زدہ ہو گیا ہوں، اس لیے تم لوگ اپنا سامان اس عبادت گاہ کی طرف رکھ کر اس پر میرے بیٹے کا بستر لگا دو اور اس کے چاروں طرف تم لوگ اپنے بستر لگا لو۔''

ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، یہی نہیں، انہوں نے اپنے چاروں طرف اپنے اونٹوں کو بھی بٹھا دیا۔ اس طرح عتیبہ ان سب کے عین درمیان میں آ گیا۔ اب وہ سب اس کی پاسبانی کرنے لگے۔ ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔ نصف رات کے قریب ایک شیر وہاں آیا اور سوئے ہوئے لوگوں کو سونگھنے لگا۔ ایک ایک کو سونگھتے ہوئے وہ آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ وہ لمبی چھلانگ لگا کر عتیبہ تک پہنچ گیا۔ بس پھر کیا تھا، اس نے اسے چیر پھاڑ کر ہلاک کر ڈالا۔

تکالیف پہنچانے کا ایک اور واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قریب ہی کچھ جانور ذبح کیے گئے تھے۔ وہ لوگ اپنے بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے۔ ان جانوروں کی ایک اوجھڑی ابھی تک وہیں پڑی تھی۔ ایسے میں ابوجہل نے کہا:

"کیا کوئی شخص ایسا ہے جو اس اوجھڑی کو محمد کے اوپر ڈال دے۔"

ایک روایت کے مطابق کسی نے کہا:

"کیا تم یہ منظر نہیں دیکھ رہے ہو، تم میں سے کون ہے جو وہاں جائے جہاں فلاں قبیلے نے جانور ذبح کیے ہیں، ان کا گوبر، لید، خون اور اوجھڑی وہاں پڑے ہیں۔ کوئی شخص وہاں جا کر گندگی اٹھا لائے اور محمد کے سجدے میں جانے کا انتظار کرے۔ پھر جونہی وہ سجدے میں جائیں، وہ شخص گندگی ان کے کندھوں کے درمیان رکھ دے۔"

تب مشرکوں میں سے ایک شخص اٹھا۔ اس کا نام عقبہ بن ابی معیط تھا۔ یہ اپنی قوم میں سب سے زیادہ بدبخت تھا۔ یہ گیا اور اوجھڑی اٹھا لایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے تو اوجھڑی آپ پر رکھ دی۔

اس پر مشرکین زور زور سے ہنسنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ ہنسی سے بے حال ہو گئے اور ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ ایسے میں کسی نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتا دی۔ وہ روتی ہوئی حرم میں آئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح سجدے میں تھے

اور اوجھڑی آپ کے کندھوں پر تھی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اوجھڑی کو آپ پر سے ہٹایا۔ اس کے بعد آپ سجدے سے اُٹھے اور نماز کی حالت میں کھڑے ہو گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے حق میں بددعا فرمائی:

''اے اللہ تو قریش کو ضرور سزا دے، اے اللہ تو قریش کو ضرور سزا دے، اے اللہ تو قریش کو ضرور سزا دے۔''

قریش جو مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے، یہ بددعا سنتے ہی ان کی ہنسی کافور ہو گئی۔ اس بددعا کی وجہ سے وہ دہشت زدہ ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے نام لے لے کر بھی بددعا فرمائی:

''اے اللہ! تو عمرو بن ہشام کو سزا دے۔ (یعنی ابوجہل کو)، عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف کو سزا دے۔''

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن قریشیوں کا نام لیا تھا، میں نے انہیں غزوہ بدر میں خاک و خون میں لتھڑا ہوا دیکھا، اور پھر ان کی لاشوں کو ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا۔''

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

''ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طواف فرما رہے تھے، اس وقت آپ کا ہاتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ حجرِ اسود کے پاس تین آدمی بیٹھے تھے۔ جب آپ حجر اسود کے پاس سے گزرے اور ان کے قریب پہنچے تو ان تینوں نے آپ کی ذات با برکات پر چند جملے کسے۔ ان جملوں کو سن کر آپ کو تکلیف پہنچی۔ تکلیف کے آثار آپ کے چہرے سے ظاہر ہوئے۔ دوسرے پھیرے میں ابوجہل نے کہا:

''تم ہمیں ان معبودوں کی عبادت کرنے سے روکتے ہو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں، لیکن ہم تم سے صلح نہیں کر سکتے۔''

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرا بھی یہی حال ہے۔''

پھر آپ آگے بڑھ گئے۔ تیسرے پھیرے میں بھی انہوں نے ایسا ہی کہا۔ پھر چوتھے پھیرے میں یہ تینوں یک دم آپ کی طرف جھپٹے۔

☆☆☆

قربانیاں ہی قربانیاں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ابوجہل نے یک دم آگے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پکڑنے کی کوشش کی۔ میں نے آگے بڑھ کر ایک گھونسہ اس کے سینے پر مارا۔ اس سے وہ زمین پر گر پڑا۔ دوسری طرف سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف کو دھکیلا، تیسری طرف خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ابی معیط کو دھکیلا۔ آخر یہ لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کی قسم! تم لوگ اس وقت تک نہیں مروگے، جب تک اللہ کی طرف سے اس کی سزا نہیں بھگت لوگے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''یہ الفاظ سن کر ان تینوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جو خوف کی وجہ سے کانپنے نہ لگا ہو۔''

پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

'''تم لوگ اپنے نبی کے لیے بہت بُرے ثابت ہوئے۔''

یہ فرمانے کے بعد آپ اپنے گھر کی طرف لوٹ گئے۔ ہم آپ کے پیچھے پیچھے چلے۔

جب آپ اپنے دروازے پر پہنچے تو اچانک ہماری طرف مڑے اور فرمایا:

''تم لوگ غم نہ کرو، اللہ تعالیٰ خود اپنے دین کو پھیلانے والا، اپنے کلمے کو پورا کرنے والا اور اپنے نبی کی مدد کرنے والا ہے۔ ان لوگوں کو اللہ بہت جلد تمہارے ہاتھوں ذبح کرائے گا۔''

اس کے بعد ہم بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور پھر اللہ کی قسم غزوہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہمارے ہاتھوں ذبح کرایا۔

ایک روز ایسا ہوا کہ آپ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، ایسے میں عقبہ بن ابی معیط وہاں آ گیا، اس نے اپنی چادر اُتار کر آپ کی گردن میں ڈالی اور اس کو بل دینے لگا۔ اس طرح آپ کا گلا گھٹنے لگا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوڑ کر آئے اور اسے کندھوں سے پکڑ کر دھکیلا۔ ساتھ ہی انہوں نے فرمایا:

''کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو، جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے... اور جو تمہارے رب کی طرف سے کھلی نشانیاں لے کر آیا ہے۔''

بخاری کی ایک حدیث کے مطابق حضرت عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''مجھے بتایئے! مشرکین کی طرف سے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ سب سے زیادہ بدترین اور سخت ترین سلوک کس نے کیا تھا؟''

جواب میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کعبہ میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا، اس نے آپ کی گردن میں کپڑا ڈال کر اس سے پوری قوت سے آپ کا گلا گھونٹا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے دھکیل کر ہٹایا۔''

یہ قول حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا ہے، انہوں نے یہی سب سے سخت برتاؤ دیکھا ہوگا، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ سخت برتاؤ کیا گیا۔

پھر جب مسلمانوں کی تعداد 38 ہوگئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ

سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! مسجد الحرام میں تشریف لے چلیے تا کہ ہم وہاں نماز ادا کر سکیں۔"

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ابو بکر! ابھی ہماری تعداد تھوڑی ہے۔"

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھر اسی خواہش کا اظہار کیا۔ آخر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام صحابہ کے ساتھ مسجد الحرام میں پہنچ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ لوگوں کو کلمہ پڑھ لینے کی دعوت دی۔ اس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شخص ہیں، جنہوں نے مجمعے میں کھڑے ہو کر اس طرح تبلیغ فرمائی۔

اس خطبے کے جواب میں مشرکین مکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں مارنے لگے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تو انہوں نے سب سے زیادہ مارا پیٹا، مار پیٹ کی انتہا کر دی گئی۔ عقبہ نے تو انہیں اپنے جوتوں سے مار رہا تھا۔ اس میں دوہرا تلا لگا ہوا تھا۔ اس نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ان جوتوں سے اتنی ضربیں لگائیں کہ چہرہ لہولہان ہو گیا۔ ایسے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلے بنو تیم کے لوگ وہاں پہنچ گئے۔ انہیں دیکھتے ہی مشرکین نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ ان لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک کپڑے پر لٹایا اور بے ہوشی کی حالت میں گھر لے آئے۔ ان سب کو یقین ہو چکا تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ آج زندہ نہیں بچیں گے۔ اس کے بعد بنو تیم کے لوگ واپس حرم آئے۔

انہوں نے کہا:

"اللہ کی قسم! اگر ابو بکر مر گئے تو ہم عقبہ کو قتل کر دیں گے۔"

یہ لوگ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انہوں نے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے والد نے ان سے بار بار بات کرنے کی کوشش کی، لیکن آپ بالکل بے ہوش

تھے۔آخر شام کے وقت کہیں جا کر آپ کو ہوش آیا اور بولنے کے قابل ہوئے۔انہوں نے سب سے پہلے یہ پوچھا:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟''

گھر میں موجود افراد نے ان کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ادھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بار بار اپنا سوال دہرا رہے تھے۔آخر ان کی والدہ نے کہا:

''اللہ کی قسم!ہمیں تمہارے دوست کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔''

یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اچھا تو پھر ام جمیل بنت خطاب کے پاس جائیں،ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کر کے مجھے بتائیں۔''

ام جمیل رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں،اسلام قبول کر چکی تھیں،لیکن ابھی تک اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ ان کے ہاں پہنچیں۔انہوں نے ام جمیل رضی اللہ عنہا سے کہا:

''ابو بکر محمد بن عبداللہ کی خیریت پوچھتے ہیں۔''

ام جمیل رضی اللہ عنہا چونکہ اپنے بھائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈرتی تھیں،وہ ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے،اس لیے انہوں نے کہا:

''میں نہیں جانتی۔''

ساتھ ہی وہ بولیں:

''کیا آپ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہیں؟''

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ نے فوراً کہا:

''ہاں!''

اب یہ دونوں وہاں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں۔ام جمیل رضی اللہ عنہا نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زخموں سے چور دیکھا تو چیخ پڑیں:

''جن لوگوں نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے، وہ یقیناً فاسق اور بدترین لوگ ہیں، مجھے یقین ہے، اللہ تعالیٰ ان سے آپ کا بدلہ لے گا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

''رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کیا حال ہے؟''

ام جمیل رضی اللہ عنہا ایسے لوگوں کے سامنے بات کرتے ہوئے ڈرتی تھیں جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے، چنانچہ بولیں:

''یہاں آپ کی والدہ موجود ہیں۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فوراً بولے:

''ان کی طرف سے بے فکر رہیں، یہ آپ کا راز ظاہر نہیں کریں گی۔''

اب ام جمیل رضی اللہ عنہا نے کہا:

''رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خیریت سے ہیں۔''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کہاں ہیں؟''

ام جمیل نے فرمایا:

''دارِ ارقم میں ہیں۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے:

''اللہ کی قسم! میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا، نہ پیوں گا جب تک کہ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مل نہ لوں۔''

ان دونوں نے کچھ دیر انتظار کیا... تاکہ باہر سکون ہو جائے... آخر یہ دونوں انہیں سہارا دے کر لے چلیں اور دارِ ارقم پہنچ گئیں، جونہی نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ حالت دیکھی تو آپ کو بے حد صدمہ ہوا۔ آپ نے آگے بڑھ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو گلے سے لگا لیا۔ انہیں بوسہ دیا۔ باقی مسلمانوں نے بھی انہیں گلے سے

لگایا اور بوسہ دیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اے اللہ کے رسول! مجھے کچھ نہیں ہوا، سوائے اس کے کہ میرے چہرے پر چوٹیں آئی ہیں۔ یہ میری والدہ میرے ساتھ آئی ہیں، ممکن ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے طفیل انہیں جہنم کی آگ سے بچالے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی والدہ کے لیے دعا فرمائی۔ پھر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ وہ اسی وقت ایمان لے آئیں، جس سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کو بے حد خوشی ہوئی۔

ایک روز صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع تھے۔ ایسے میں کسی نے کہا:

''اللہ کی قسم! قریش نے آج تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی زبان سے بلند آواز میں قرآن نہیں سنا۔ اس لیے تم میں سے کون ہے جو ان کے سامنے بلند آواز میں قرآن پڑھے۔''

یہ سن کر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بول اُٹھے:

''میں ان کے سامنے بلند آواز سے قرآن پڑھوں گا۔''

☆☆☆

حقیقت روشن ہوگئی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بات سن کر صحابہ نے کہا:

''ہمیں قریش کی طرف سے آپ کے بارے میں خطرہ ہے، ہم تو کوئی ایسا آدمی چاہتے ہیں جس کا خاندان قریش سے اس کی حفاظت کرتا رہے۔''

اس کے جواب میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم میری پروانہ کرو، اللہ تعالیٰ خود میری حفاظت فرمائیں گے۔''

دوپہر کے بعد حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیت اللہ میں پہنچ گئے۔ آپ مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہوگئے۔ اس وقت قریش اپنے اپنے گھروں میں تھے۔ اب انہوں نے بلند آواز سے قرآن پڑھنا شروع کیا۔

قریش نے یہ آواز سنی تو کہنے لگے:

''اس غلام زادے کو کیا ہوا؟''

کوئی اور بولا:

''محمد جو کلام لے کر آئے ہیں، یہ وہی پڑھ رہا ہے۔''

یہ سنتے ہی مشرکین ان کی طرف دوڑ پڑے اور لگے انہیں مارنے پیٹنے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چوٹیں کھاتے جاتے تھے اور قرآن پڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ

انہوں نے سورۃ کا زیادہ تر حصہ تلاوت کر ڈالا۔ اس کے بعد وہاں سے اپنے ساتھیوں کے پاس آ گئے۔ ان کا چہرہ اس وقت تک لہولہان ہو چکا تھا۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر مسلمان بول اُٹھے:

''ہمیں تمہاری طرف سے اسی بات کا خطرہ تھا۔''

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! اللہ کے دشمنوں کو میں نے اپنے لیے آج سے زیادہ ہلکا اور کمزور کبھی نہیں پایا۔ اگر تم لوگ کہو تو میں کل پھر ان کے سامنے جا کر قرآن پڑھ سکتا ہوں۔''

اس پر مسلمان بولے:

''نہیں، وہ لوگ جس چیز کو ناپسند کرتے ہیں، آپ انہیں وہ کافی سنا آئے ہیں۔''

کفار کا یہ ظلم و ستم جاری رہا۔ ایسے میں ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صفا کی پہاڑی کے پاس موجود تھے۔ ابوجہل آپ کے پاس سے گزرا۔ اس نے آپ کو دیکھ لیا اور لگا گالیاں دینے، اس نے آپ کے سر پر مٹی بھی پھینکی۔ عبداللہ بن جدعان کی باندی نے یہ منظر دیکھا۔ پھر ابوجہل آپ کے پاس سے چل کر حرم میں داخل ہوا۔ وہاں مشرکین جمع تھے۔ وہ ان کے سامنے اپنا کارنامہ بیان کرنے لگا۔ اسی وقت آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حرم میں داخل ہوئے۔ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ تلوار ان کی کمر سے لٹک رہی تھی۔ وہ اس وقت شکار سے واپس آئے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ جب شکار سے لوٹتے تو پہلے حرم جا کر طواف کرتے تھے، پھر گھر جاتے تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حرم میں داخل ہونے سے پہلے عبداللہ بن جدعان کی باندی کے پاس سے گزرے، اس نے سارا منظر خاموشی سے دیکھا اور سنا تھا۔ اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے حمزہ! کچھ خبر بھی ہے، ابھی ابھی یہاں ابوحکم بن ہشام (ابوجہل) نے تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ وہ یہاں بیٹھے تھے، ابوجہل نے انہیں دیکھ لیا، انہیں تکالیف پہنچائیں، گالیاں دیں اور بہت بری طرح پیش آیا، آپ کے بھتیجے نے جواب میں

اسے کچھ بھی نہ کہا۔''

سار ی بات سن کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''تم جو کچھ بیان کر رہی ہو، کیا یہ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔''

اس نے فوراً کہا:

''ہاں! میں نے خود دیکھا ہے۔''

یہ سنتے ہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جوش میں آ گئے۔ چہرہ غصے سے تمتما اُٹھا۔ فوراً حرم میں داخل ہوئے، وہاں ابو جہل موجود تھا۔ وہ قریشیوں کے درمیان میں بیٹھا تھا، یہ سیدھے اس تک جا پہنچے۔ ہاتھ میں کمان تھی، بس وہی کھینچ کر اس کے سر پر دے ماری۔ ابو جہل کا سر پھٹ گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

''تو محمد کو گالیاں دیتا ہے، سن لے! میں بھی اس کا دین اختیار کرتا ہوں۔ جو کچھ وہ کہتا ہے، وہی میں بھی کہتا ہوں، اب اگر تجھ میں ہمت ہے تو مجھے جواب دے۔''

ابو جہل ان کی منت سماجت کرتے ہوئے بولا:

''وہ ہمیں بے عقل بتاتا ہے، ہمارے معبودوں کو بُرا کہتا ہے، ہمارے باپ دادا کے راستے کے خلاف چلتا ہے۔''

یہ سن کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بولے:

''اور خود تم سے زیادہ بے عقل اور بے وقوف کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر پتھر کے ٹکڑوں کو پوجتے ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔''

ان کے یہ الفاظ سن کر ابو جہل کے خاندان کے کچھ لوگ یک دم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے اور انہوں نے کہا:

''اب تمہارے بارے میں بھی ہمیں یقین ہوگیا ہے کہ تم بھی بے دین ہو گئے ہو۔''

جواب میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آؤ... کون ہے مجھے اس سے روکنے والا۔ مجھ پر حقیقت روشن ہوگئی ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، جو کچھ وہ کہتے ہیں، وہ حق اور سچائی ہے، اللہ کی قسم! میں انہیں نہیں چھوڑوں گا۔ اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دکھاؤ۔''

یہ سن کر ابوجہل نے اپنے لوگوں سے کہا:

''ابوعمارہ (یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ) کو چھوڑ دو، میں نے واقعی ان کے بھتیجے کے ساتھ ابھی کچھ برا سلوک کیا تھا۔''

وہ لوگ ہٹ گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ گھر پہنچے۔ گھر آ کر انہوں نے الجھن محسوس کی کہ یہ میں قریش کے سامنے کیا کہہ آیا ہوں... میں تو قریش کا سردار ہوں۔

لیکن پھر ان کا ضمیر انہیں ملامت کرنے لگا، آخر شدید الجھن کے عالم میں انہوں نے دعا کی:

''اے اللہ! اگر یہ سچا راستہ ہے تو میرے دل میں یہ بات ڈال دے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مجھے اس مشکل سے نکال دے، جس میں میں گھر گیا ہوں۔''

وہ رات انہوں نے اسی الجھن میں گزاری۔ آخر صبح ہوئی تو حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس پہنچے۔ آپ سے عرض کیا:

''بھتیجے! میں ایسے معاملے میں الجھ گیا ہوں کہ مجھے اس سے نکلنے کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا اور ایک ایسی صورت حال میں رہنا، جس کے بارے میں میں نہیں جانتا، یہ سچائی ہے یا نہیں، بہت سخت معاملہ ہے۔''

اس پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ ثواب کی خوش خبری سنائی، آپ کے وعظ و نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کا نور عطا فرما دیا، وہ بول اُٹھے:

''اے بھتیجے! میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ بس اب تم اپنے دین کو کھل کر پیش کرو۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اسی واقعے پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

ترجمہ: ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے اسے ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اسے لیے ہوئے چلتا پھرتا ہے۔ (سورۃ الانعام)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ خوشی ہوئی، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے سگے چچا تھے، دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ قریش میں سب سے زیادہ معزز فرد تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ قریش کے سب سے زیادہ بہادر، طاقت ور اور خوددار انسان تھے۔ اور اسی بنیاد پر جب قریش نے دیکھا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید قوت حاصل ہوگئی ہے تو انہوں نے آپ کو تکالیف پہنچانے کا سلسلہ بند کر دیا، لیکن اپنے تمام ظلم وستم اب وہ کمزور مسلمانوں پر ڈھانے لگے۔ جس قبیلے کا بھی کوئی شخص مسلمان ہو جاتا، وہ اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے، ایسے لوگوں کو قید کر دیتے، بھوکا پیاسا رکھتے، تپتی ریت پر لٹاتے، یہاں تک کہ اس کا یہ حال ہو جاتا کہ سیدھا بیٹھنے کے قابل بھی نہ رہتا۔ اس ظلم اور زیادتی پر سب سے زیادہ ابوجہل لوگوں کو اُکساتا تھا۔

ایسے ہی لوگوں میں سے ایک حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ کا پورا نام بلال بن رباح تھا۔ یہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکّہ ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ پہلے عبداللہ بن جدعان تیمی کے غلام تھے۔ عبداللہ بن جدعان کے سو غلام تھے، یہ ان میں سے ایک تھے۔ جب اسلام کا آغاز ہوا، اور اس کا نور پھیلا تو عبداللہ بن جدعان نے اپنے 99 غلاموں کو اس خوف سے مکّہ سے باہر بھجوا دیا کہ کہیں وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ بس اس نے حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس رکھ لیا۔ یہ اس کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اسلام کی روشنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ تک بھی پہنچی۔ یہ ایمان لے آئے مگر انہوں نے اپنے اسلام کو چھپائے

رکھا۔ ایک روز انہوں نے کعبہ کے چاروں طرف رکھے بتوں پر گندگی ڈال دی۔ ساتھ ہی وہ ان پر تھوکتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

''جس نے تمہاری عبادت کی، وہ تباہ ہو گیا۔''

یہ بات قریش کو معلوم ہو گئی۔ وہ فوراً عبداللہ بن جدعان کے پاس آئے... اور اس سے بولے:

''تم بے دین ہو گئے ہو۔''

اس نے حیران ہو کر کہا:

''کیا میرے بارے میں بھی یہ بات کہی جا سکتی ہے؟''

اس پر وہ بولے:

''تمہارے غلام بلال نے آج ایسا ایسا کیا ہے۔''

''کیا!!!''

وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

☆☆☆

آزمائشوں پر آزمائشیں

عبداللہ بن جدعان نے فوراً قریش کو ایک سو درہم دیے تاکہ بتوں کی جو توہین ہوئی ہے، اس کے بدلے میں ان کے نام پر کچھ جانور ذبح کر دیے جائیں۔ پھر وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا۔ اس نے انہیں رسی سے باندھ دیا۔ تمام دن بھوکا اور پیاسا رکھا۔ پھر تو یہ اس کا روز کا معمول بن گیا۔ جب دوپہر کے وقت سورج آگ برسانے لگتا تو انہیں گھر سے نکال کر تپتی ہوئی ریت پر چت لٹا دیتا۔ اس وقت ریت اس قدر گرم ہوتی تھی کہ اگر اس پر گوشت کا ٹکڑا رکھ دیا جاتا تو وہ بھی بھن جاتا تھا۔ وہ اسی پر بس نہیں کرتا تھا، ایک وزنی پتھر منگاتا اور ان کے سینے پر رکھ دیتا تاکہ وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکیں۔ پھر وہ بدبخت ان سے کہتا:

''اب یا تو محمد کی رسالت اور پیغمبری سے انکار کر اور لات وعزیٰ کی عبادت کر ورنہ میں تجھے یہاں اسی طرح لٹائے رکھوں گا، یہاں تک کہ تیرا دم نکل جائے گا۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کی بات کے جواب میں فرماتے:

''احد... احد۔''

یعنی اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کسی طرح اسلام سے نہ ہٹے تو تنگ آ کر عبداللہ بن

جدعان نے انہیں امیہ بن خلف کے حوالے کر دیا۔ اب یہ شخص ان پر اس سے بھی زیادہ ظلم و ستم ڈھانے لگا۔

ایک روز انہیں اسی قسم کی خوفناک سزائیں دی جا رہی تھیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گزرے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ شدت تکلیف کی حالت میں احد احد پکار رہے تھے۔ آپ نے انہیں اس حالت میں دیکھ کر فرمایا:

''بلال! تمہیں یہ احد احد ہی نجات دلائے گا۔''

پھر ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس طرف سے گزرے۔ امیہ بن خلف نے انہیں گرم ریت پر لٹا رکھا تھا۔ سینے پر ایک بھاری پتھر رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے یہ دردناک منظر دیکھ کر امیہ بن خلف سے کہا:

''کیا اس مسکین کے بارے میں تمہیں اللہ کا خوف نہیں آتا، آخر کب تک تم اسے عذاب دیے جاؤ گے۔''

اُمیہ بن خلف نے جل کر کہا:

''تم ہی نے اسے خراب کیا ہے، اس لیے تم ہی اسے نجات کیوں نہیں دلا دیتے۔''

اس کی بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے:

''میرے پاس بھی ایک حبشی غلام ہے، وہ اس سے زیادہ طاقت ور ہے اور تمہارے ہی دین پر ہے، میں ان کے بدلے میں تمہیں وہ دے سکتا ہوں۔''

یہ سن کر اُمیہ بولا:

''مجھے یہ سودا منظور ہے۔''

یہ سنتے ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا حبشی غلام اس کے حوالے کر دیا۔ اس کے بدلے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لے لیا اور انہیں آزاد کر دیا۔ سبحان اللہ! کیا خوب سودا ہوا، یہاں یہ بات جان لینی چاہیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حبشی غلام دنیا کے لحاظ سے بہت زیادہ قیمتی تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امیہ بن خلف نے غلام کے ساتھ دس اوقیہ

سونا بھی طلب کیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ مطالبہ بھی مان لیا تھا، چنانچہ آپ نے اسے ایک یمنی چادر اور کچھ سونا دیا تھا۔ ساتھ ہی آپ نے امیہ بن خلف سے فرمایا تھا:

''اگر تم مجھ سے سوا اوقیہ سونا بھی طلب کرتے تو بھی میں تمہیں دے دیتا۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اور بھی بہت سے غلام مسلمانوں کو خرید کر آزاد فرمایا، یہ وہ مسلمان غلام تھے جنہیں اللہ کا نام لینے کی وجہ سے ظلم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ ان میں ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی والدہ حمامہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ایک عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہیں اللہ کا نام لینے پر بڑے بڑے سخت عذاب دیے جاتے۔ یہ قبیلہ بنی تیم کے ایک شخص کے غلام تھے۔ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رشتے دار تھا۔ آپ نے اپنے رشتے دار سے خرید کر انہیں بھی آزاد فرمایا۔ پھر ایک صاحب ابوفکیہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے تھے۔

صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی ابتداء میں مسلمانوں کے سخت مخالف تھے۔ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے۔ ایک روز انہوں نے حضرت ابوفکیہ رضی اللہ عنہ کو گرم ریت پر لٹا رکھا تھا۔ ایسے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف سے گزرے۔ اس وقت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ یہ الفاظ کہہ رہے تھے:

''اسے ابھی اور عذاب دو، یہاں تک کہ محمد یہاں آ کر اپنے جادو سے اسے نجات دلائیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی وقت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

اسی طرح زنیرہ رضی اللہ عنہا نامی ایک عورت کو مسلمان ہونے کی بنیاد پر اس قدر خوفناک سزائیں دی گئیں کہ وہ بے چاری اندھی ہو گئیں، ایک روز ابوجہل نے ان سے کہا:

''جو کچھ تجھ پر بیت رہی ہے، یہ سب لات وعزیٰ کر رہے ہیں۔''

یہ سنتے ہی زنیرہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''ہرگز نہیں! اللہ کی قسم، لات اور عزیٰ نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ کوئی نقصان... یہ جو کچھ ہو رہا ہے آسمان والے کی مرضی سے ہو رہا ہے، میرے پروردگار کو یہ بھی قدرت ہے کہ وہ مجھے میری آنکھوں کی روشنی لوٹا دے۔''

دوسرے دن وہ صبح اُٹھیں تو ان کی آنکھوں کی روشنی اللہ تعالیٰ نے انہیں لوٹا دی تھی۔

اس بات کا جب کافروں کو پتا چلا تو وہ بول اُٹھے:

''یہ محمد کی جادوگری ہے!''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی خرید کر آزاد کر دیا۔

آپ نے زنیرہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی کو بھی خرید کر آزاد کیا۔ اسی طرح نہدیہ نام کی ایک باندی تھیں۔ ان کی ایک بیٹی بھی تھیں۔ دونوں ولید بن مغیرہ کی باندیاں تھیں۔ انہیں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آزاد کر دیا۔

عامر بن فہیرہ کی بہن اور ان کی والدہ بھی ایمان لے آئی تھیں۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے سے پہلے ان کی باندیاں تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔

ایمان لانے والے جن لوگوں پر ظلم ڈھائے گئے، ان میں سے ایک حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ کافروں نے انہیں اسلام سے پھیرنے کی کوششیں کیں مگر یہ ثابت قدم رہے۔ انہیں جاہلیت کے زمانے میں گرفتار کیا گیا تھا۔ پھر انہیں ایک عورت امِ انمار نے خرید لیا۔ یہ ایک لوہار تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دل جوئی فرماتے تھے۔ ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب یہ مسلمان ہو گئے اور امِ انمار کو یہ بات معلوم ہو گئی تو اس نے انہیں بہت خوفناک سزائیں دیں۔ وہ لوہے کا کڑا لے کر آگ میں گرم کرتی، خوب سرخ کرتی، پھر اس کو حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھ دیتی،

آخر حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی مصیبت کا ذکر کیا تو آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے فوراً بعد اس عورت کے سر میں شدید درد شروع ہوگیا۔ اس سے وہ کتوں کی طرح بھونکتی تھی، آخر کسی نے اسے علاج بتایا کہ وہ لوہا تپا کر سر پر رکھوائے۔ اس نے یہ کام حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے ذمے لگایا۔ اب آپ وہ حلقہ خوب گرم کر کے اس کے سر پر رکھتے۔

☆☆☆

چاند دو ٹکڑے ہو گیا

حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور یہ وہ زمانہ تھا جب ہم پر خوب ظلم کیا جاتا تھا، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں فرماتے۔''

میرے الفاظ سنتے ہی آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا:

''تم سے پہلی امت کے لوگوں کو اپنے دین کے لیے کہیں زیادہ عذاب برداشت کرنا پڑے۔ ان کے جسموں پر لوہے کی کنگھیاں کی جاتی تھیں۔ جن سے ان کی کھال اور ہڈیاں الگ ہو جاتی تھیں، مگر یہ تکالیف بھی انہیں ان کے دین سے نہ ہٹا سکیں۔ ان کے سروں پر آرے چلا چلا کر ان کے جسم دو کر دیے گئے مگر وہ اپنا دین چھوڑنے پر تیار پھر بھی نہ ہوئے۔ اس دینِ اسلام کو اللہ تعالیٰ اس طرح پھیلا دے گا کہ صنعا کے مقام سے حضر موت جانے والے سوار کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا خوف نہیں ہو گا۔ یہاں تک کہ چرواہے کو اپنی بکریوں کے متعلق بھیڑیوں کا ڈر نہیں ہو گا۔''

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک دن میرے لیے آگ دہکائی

گئی، پھر وہ آگ میری کمر پر رکھ دی گئی اور پھر اس کو اس وقت تک نہ ہٹایا گیا جب تک کہ وہ آگ میری کمر کی چربی سے بجھ نہ گئی۔

ایسے ہی لوگوں میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ان کے دین سے پھیرنے کے لیے مشرکوں نے طرح طرح کے ظلم کیے، آگ سے جلا جلا کر عذاب دیے مگر وہ دین پر قائم رہے۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف تشریف لے جا رہے تھے، اس وقت حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو آگ سے جلا جلا کر تکالیف پہنچائی جا رہی تھیں۔ ان کی کمر پر جلنے کی وجہ سے کوڑھ جیسے سفید داغ پڑ گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

''اے آگ! ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا، جیسا کہ تو ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہو گئی تھی۔''

اس دعا کے بعد انہیں آگ کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی۔

حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر، ان کے والد یاسر، ان کے بھائی عبداللہ اور ان کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم، ان سبھی کو اللہ کا نام لینے کی وجہ سے سخت ترین عذاب دیے گئے۔ ایک روز جب انہیں تکالیف پہنچائی جا رہی تھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گزرے، آپ نے ان کی تکالیف کو دیکھ کر فرمایا:

''اے اللہ! آل یاسر کی مغفرت فرما۔''

ان کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل کے چچا حذیفہ بن ابن مغیرہ نے ابوجہل کے حوالے کر دیا۔ یہ اس کی باندی تھیں۔ ابوجہل نے انہیں نیزہ مارا۔ اس سے وہ شہید ہو گئیں۔ اس طرح اسلام انہیں سب سے پہلی شہید ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ آخر انہی مظالم کی وجہ سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد یاسر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو گئے۔

اپنے ان مظالم اور بدترین حرکات کے ساتھ ساتھ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کا مطالبہ بھی کرتے رہتے تھے۔

ایک روز ابوجہل دوسرے سرداروں کے ساتھ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا اور بولا:

''اے محمد! اگر تم سچے ہو تو ہمیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھاؤ، وہ بھی اس طرح کہ ایک ٹکڑا ابوقبیس پہاڑ پر نظر آئے اور دوسرا قعیقعان پہاڑ پر نظر آئے۔''

مطلب یہ تھا کہ دونوں ٹکڑے کافی فاصلے پر ہوں تا کہ اس کے دو ٹکڑے ہونے میں کوئی شک نہ رہ جائے۔

اس روز مہینے کی چودھویں تاریخ تھی۔ چاند پورا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ عجیب فرمائش سن کر فرمایا:

''اگر میں ایسا کر دکھاؤں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے۔''

انہوں نے ایک زبان ہو کر کہا:

''ہاں! بالکل! ہم ایمان لے آئیں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ آپ کے ہاتھ سے ایسا ہو جائے، چنانچہ چاند فوراً دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس کا ایک حصہ ابوقبیس کے پہاڑ کے اوپر نظر آیا، دوسرا قعیقعان پہاڑ پر۔ اس وقت نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''لو اب گواہی دو۔''

ان کے دلوں پر تو قفل پڑے تھے، کہنے لگے:

''محمد نے ہم لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔''

کچھ نے کہا:

''محمد نے چاند پر جادو کر دیا ہے مگر ان کے جادو کا اثر ساری دنیا کے لوگوں پر نہیں ہو سکتا۔''

مطلب یہ تھا کہ ہر جگہ کے لوگ چاند کو دو ٹکڑے نہیں دیکھ رہے ہوں گے۔ اب انہوں نے کہا:

''ہم دوسرے شہروں سے آنے والوں سے یہ بات پوچھیں گے۔''

چنانچہ جب مکہ میں دوسرے شہروں کے لوگ داخل ہوئے تو انہوں نے چاند کے بارے میں ان سے پوچھا، آنے والے سب لوگوں نے یہی کہا:

''ہاں ہاں! ہم نے بھی چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔''

یہ سنتے ہی مشرک بول اُٹھے:

''بس! پھر تو یہ عام جادو ہے، اس کا اثر سب پر ہوا ہے۔''

کچھ نے کہا:

''یہ ایک ایسا جادو ہے جس سے جادوگر بھی متاثر ہوئے ہیں۔''

یعنی جادوگروں کو بھی چاند دو ٹکڑے نظر آیا ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ قمر کی آیات نازل فرمائیں۔

ترجمہ: قیامت نزدیک آ پہنچی اور چاند شق ہوگیا اور یہ لوگ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں، یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہو جائے گا۔

مختلف قوموں کی تاریخ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ چاند کا دو ٹکڑے ہونا صرف مکہ میں نظر نہیں آیا تھا بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی اس کا مشاہدہ کیا گیا تھا۔

اسی طرح ایک دن مشرکین نے کہا:

''اگر آپ واقعی نبی ہیں تو ان پہاڑوں کو ہٹا دیجیے جن کی وجہ سے ہمارا شہر تنگ ہو رہا ہے۔ تاکہ ہماری آبادیاں پھیل کر بس جائیں۔ اور اپنے ربّ سے کہہ کر ایسی نہریں جاری کرا دیں جیسی شام اور عراق میں ہیں اور ہمارے باپ دادوں کو دوبارہ زندہ کرا کے دکھائیں۔ ان دوبارہ زندہ ہونے والوں میں قصی بن کلاب ضرور ہو، اس لیے کہ وہ نہایت دانا اور عقل مند بزرگ تھا۔ ہم اس سے پوچھیں گے، آپ جو کچھ کہتے ہیں، سچ ہے یا

جھوٹ، اگر ہمارے ان بزرگوں نے آپ کی تصدیق کر دی اور آپ نے ہمارے یہ مطالبے پورے کر دیے تو ہم آپ کی نبوت کا اقرار کر لیں گے اور جان لیں گے کہ آپ واقعی اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے... جیسا کہ آپ دعویٰ کرتے ہیں۔"

ان کی یہ باتیں سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مجھے ان باتوں کے لیے تمہاری طرف رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ میں تو اس مقصد کے لیے بھیجا گیا ہوں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو۔"

☆☆☆

مشرکین کے مطالبات

ایک مشرک کہنے لگا:

''آپ اسی طرح کھانا کھاتے ہیں جس طرح ہم کھاتے ہیں، اسی طرح بازاروں میں چلتے ہیں جس طرح ہم چلتے ہیں، ہماری طرح ہی زندگی کی ضروریات پوری کرتے ہیں، لہٰذا آپ کو کیا حق ہے کہ نبی کہہ کر خود کو نمایاں کریں اور یہ کہ آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُترا جو آپ کی تصدیق کرتا۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ فرقان کی آیت 7 نازل فرمائی:

''ترجمہ: اور یہ کافر لوگ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈرایا کرتا۔ اس کے پاس غیب سے کوئی خزانہ آ پڑتا یا اس کے پاس کوئی (غیبی) باغ ہوتا جس سے یہ کھایا کرتا اور ایمان لانے والوں سے یہ ظالم لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم تو ایک بے عقل آدمی کی راہ پر چل رہے ہو۔''

پھر جب انہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ وہ ہم ہی میں سے ایک بندے کو رسول بنا کر بھیجے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ یونس کی آیت 2 نازل فرمائی:

''ترجمہ: کیا ان مکہ کے لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو اللہ کے احکامات کے خلاف چلنے پر ڈرائیں اور جو ایمان لے آئے، انہیں خوش خبری سنا دیں کہ انہیں اپنے رب کے پاس پہنچ کر پورا رتبہ ملے گا۔''

اس کے بعد ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''ہم پر آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرادو، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تمہارا رب جو چاہے کرسکتا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم جس رحمٰن کا ذکر کرتے ہو وہ رحمٰن یمامہ کا ایک شخص ہے، وہ تمہیں یہ باتیں سکھاتا ہے، ہم لوگ اللہ کی قسم کبھی رحمٰن پر ایمان نہیں لائیں گے۔''

یہاں رحمٰن سے ان لوگوں کی مراد یمامہ کے ایک یہودی کاہن سے تھی۔ اس بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد کی آیت 30 نازل فرمائی:

''ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ وہی میرا مربی اور نگہبان ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کرلیا اور اسی کے پاس مجھے جانا ہے۔''

اس وقت آپ پر رنج اور غم کی کیفیت طاری تھی۔ آپ کی عین خواہش تھی کہ وہ لوگ ایمان قبول کرلیں، لیکن ایسا نہ ہوسکا، اس لیے غمگین تھے، اسی حالت میں آپ وہاں سے اٹھ گئے۔

مشرکین نے اس قسم کی اور بھی فرمائشیں کیں۔ کبھی وہ کہتے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا کر دکھائیں، کبھی کہتے سیڑھی کے ذریعے آسمان پر چڑھ کر دکھائیں اور فرشتوں کے ساتھ واپس آئیں۔ ان کی تمام باتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے آکر کہا:

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیا جائے۔ اسی طرح ان کے جو مطالبات ہیں، ان کو بھی پورا کر دیا جائے، لیکن اس کے بعد بھی اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو پھر سابقہ قوموں کی

طرح ان پر ہولناک عذاب نازل ہوگا، ایسا عذاب کہ آج تک کسی قوم پر نازل نہیں ہوا ہوگا اور اگر آپ ایسا نہیں چاہتے تو میں ان پر رحمت اور توبہ کا دروازہ کھلا رکھوں گا۔''

یہ سن کر آپ نے عرض کیا:

''باری تعالیٰ! آپ اپنی رحمت اور توبہ کا دروازہ کھلا رکھیں۔''

دراصل آپ جانتے تھے کہ قریش کے یہ مطالبات جہالت کی بنیاد پر ہیں، کیونکہ یہ لوگ رسولوں کو بھیجنے کی حکمت کو نہیں جانتے تھے... رسولوں کا بھیجا جانا تو دراصل مخلوق کا امتحان ہوتا ہے تاکہ وہ رسولوں کی تصدیق کریں اور رب تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اگر اللہ تعالیٰ درمیان سے سارے پردے ہٹا دے اور سب لوگ آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیں تو پھر تو انبیاء اور رسولوں کو بھیجنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی اور غیب پر ایمان لانے کا کوئی معنیٰ ہی نہیں رہتا۔

مکّہ کے مشرکین نے دو یہودی عالموں کے پاس اپنے آدمی بھیجے۔ یہ یہودی عالم مدینہ میں رہتے تھے۔ دونوں قاصدوں نے یہودی عالموں سے ملاقات کی اور ان سے کہا:

''ہم آپ کے پاس اپنا ایک معاملہ لے کر آئے ہیں، ہم لوگوں میں ایک یتیم لڑکا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔''

یہ سن کر یہودی عالم بولے:

''ہمیں اس کا حلیہ بتاؤ۔''

قاصدوں نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا حلیہ بتا دیا۔ تب انہوں نے پوچھا:

''تم لوگوں میں سے کن لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے؟''

انہوں نے جواب دیا:

''کم درجے کے لوگوں نے۔''

اب انہوں نے کہا:

''تم جا کر ان سے تین سوال کرو، اگر انہوں نے ان تین سوالات کے جوابات دے

دیے تو وہ اللہ کے نبی ہیں اور اگر وہ جواب نہ دے سکے تو پھر سمجھ لینا، وہ کوئی جھوٹا شخص ہے۔''

☆☆☆
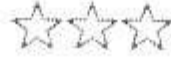
تین سوال

پہلے ان سے ان نوجوانوں کے بارے میں سوال کرو جو پچھلے زمانے میں کہیں نکل گئے تھے۔یعنی اصحاب کہف کے بارے میں پوچھو کہ ان کا کیا واقعہ تھا۔اس لیے کہ ان کا واقعہ نہایت عجیب وغریب ہے، ہماری پرانی کتابوں کے علاوہ اس واقعے کا ذکر کہیں نہیں ملے گا...اگر وہ نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر پاکر ان کے بارے میں بتا دیں گے...ورنہ نہیں بتاسکیں گے۔

پھر ان سے یہ پوچھنا کہ سکندر ذوالقرنین کون تھا، اس کا کیا قصہ ہے۔ پھر ان سے روح کے بارے میں پوچھنا کہ وہ کیا چیز ہے۔اگر انہوں نے پہلے دونوں سوالوں کا جواب دے دیا اور ان کا واقعہ بتا دیا اور تیسرے سوال یعنی روح کے بارے میں بتا دیا تو تم لوگ سمجھ لینا کہ وہ سچے نبی ہیں، اس صورت میں تم ان کی پیروی کرنا۔''

یہ لوگ یہ تین سوالات لے کر واپس مکہ آئے اور قریش سے کہا:

''ہم ایسی چیز لے کر آئے ہیں کہ اس سے ہمارے اور محمد کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا۔''

اس کے بعد انہوں نے ان سب کو تفصیل سنائی۔اب یہ مشرکین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔انہوں نے آپ سے کہا:

''اے محمد! اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو ہمارے تین سوالات کے جوابات

بتا دیں، ہمارا پہلا سوال یہ ہے کہ اصحاب کہف کون تھے؟ دوسرا سوال ہے کہ ذوالقرنین کون تھے؟ اور تیسرا سوال ہے کہ روح کیا چیز ہے؟۔''

آپ نے ان کے سوالات سن کر فرمایا:

''میں ان سوالات کے جوابات تمہیں کل دوں گا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملے میں ان شاء اللہ نہ فرمایا۔ یعنی یہ نہ فرمایا، ان شاء اللہ میں تمہیں کل جواب دوں گا۔ قریش آپ کا جواب سن کر واپس چلے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا انتظار کرنے لگے، لیکن وحی نہ آئی۔ دوسرے دن وہ لوگ آ گئے، آپ انہیں کوئی جواب نہ دے سکے، وہ لوگ لگے باتیں کرنے۔ انہوں نے یہ تک کہہ دیا:

''محمد کے رب نے انہیں چھوڑ دیا۔''

ان لوگوں میں ابولہب کی بیوی ام جمیل بھی تھی۔ اس نے بھی یہ الفاظ کہے:

''میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے مالک نے تمہیں چھوڑ دیا ہے اور تم سے ناراض ہو گیا ہے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی یہ باتیں بہت شاق گزریں۔ آپ بہت پریشان اور غمگین ہو گئے۔ آخر جبرئیل علیہ السلام سورہ کہف لے کر نازل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ہدایت کی گئی:

''اور آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجیے کہ اس کو کل کر دوں گا مگر اللہ کے چاہنے کو ملا لیا کیجیے، (یعنی ان شاء اللہ کہا کیجیے) آپ بھول جائیں تو اپنے رب کا ذکر کیا کیجیے اور کہہ دیجیے کہ مجھے امید ہے، میرا رب مجھے (نبوت کی دلیل بننے کے اعتبار سے) اس سے بھی نزدیک تر بات بتا دے گا۔'' (سورہ کہف)

مطلب یہ تھا کہ جب آپ یہ کہیں کہ آئندہ فلاں وقت پر میں یہ کام کروں گا تو اس کے ساتھ ان شاء اللہ ضرور کہا کریں۔ اگر آپ اس وقت اپنی بات کے ساتھ ان شاء اللہ ملانا بھول جائیں اور بعد میں یاد آ جائے تو اس وقت ان شاء اللہ کہہ دیا کریں۔ اس لیے کہ

بھول جانے کے بعد یاد آنے پر وہ ان شاء اللہ کہہ دینا بھی ایسا ہی ہے جیسے گفتگو کے ساتھ کہہ دینا ہوتا ہے۔

اس موقعے پر وحی میں دیر اسی بنا پر ہوئی تھی کہ آپ نے ان شاء اللہ نہیں کہا تھا۔ جب جبرئیل علیہ السلام سورہ کہف لے کر آئے تو آپ نے ان سے پوچھا تھا:

''جبرئیل! تم اتنی مدت میرے پاس آنے سے رکے رہے، اس سے تشویش پیدا ہونے لگی تھی۔''

جواب میں جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا:

''ہم آپ کے ربّ کے حکم کے بغیر نہ ایک زمانے سے دوسرے زمانے میں داخل ہو سکتے ہیں، نہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتے ہیں، ہم تو صرف اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں اور یہ جو کفار کہہ رہے ہیں کہ آپ کے ربّ نے آپ کو چھوڑ دیا ہے تو آپ کے رب نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا بلکہ یہ سب اس کی حکمت کے مطابق ہوا ہے۔''

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اصحاب کہف کے بارے میں بتایا۔ ذوالقرنین کے بارے میں بتایا اور پھر روح کے بارے میں وضاحت کی۔

اصحاب کہف کی تفصیل تفسیر ابن کثیر کے مطابق یوں ہے:

''وہ چند نوجوان تھے، دین حق کی طرف مائل ہو گئے تھے اور راہِ ہدایت پر آ گئے تھے۔ یہ نوجوان پرہیز گار تھے۔ اپنے رب کو معبود مانتے تھے یعنی توحید کے قائل تھے۔ ایمان میں روز بروز بڑھ رہے تھے اور یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے۔ لیکن بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے، اس لیے کہ یہ سوال یہودیوں نے پوچھے تھے اور اس کا مطلب ہے کہ یہودیوں کی کتابوں میں یہ واقعہ موجود تھا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔

قوم نے ان کی مخالفت کی۔ ان لوگوں نے صبر کیا۔ اس زمانے کے بادشاہ کا نام

دقیانوس تھا۔ وہ مشرک تھا، اس نے سب کو شرک پر لگا رکھا تھا۔ تھا بھی بہت ظالم۔ بت پرستی کراتا تھا۔ وہاں سالانہ میلہ لگتا تھا۔ یہ نوجوان اپنے ماں باپ کے ساتھ اس میلے میں گئے۔ وہاں انہوں نے بت پرستی ہوتے دیکھی۔ یہ وہاں سے بیزار ہو کر نکل آئے اور سب ایک درخت کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس سے پہلے یہ لوگ الگ الگ تھے۔ ایک دوسرے کو جانتے نہیں تھے۔ آپس میں بات چیت شروع ہوئی تو معلوم ہوا، یہ سب بت پرستی سے بیزار ہو کر میلے سے چلے آئے ہیں۔ اب یہ آپس میں گھل مل گئے۔ انہوں نے اللہ کی عبادت کے لیے ایک جگہ مقرر کر لی۔ رفتہ رفتہ مشرک قوم کو ان کے بارے میں پتا چل گیا، وہ انہیں پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے ان سے سوالات کیے تو انہوں نے نہایت دلیری سے شرک سے بری ہونے کا اعلان کیا۔ بادشاہ اور درباریوں کو بھی توحید کی دعوت دی۔ انہوں نے صاف کہہ دیا، ہمارا رب وہی ہے جو آسمان اور زمین کا خالق ہے اور یہ ناممکن ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت کریں۔

ان کی اس صاف گوئی پر بادشاہ بگڑا۔ اس نے انہیں ڈرایا دھمکایا اور کہا کہ اگر یہ باز نہ آئے تو میں انہیں سخت سزا دوں گا۔

بادشاہ کا حکم سن کر ان میں کوئی کمزوری پیدا نہ ہوئی، ان کے دل اور مضبوط ہو گئے، لیکن ساتھ ہی انہوں نے محسوس کر لیا کہ یہاں رہ کر وہ اپنی دین داری پر قائم نہیں رہ سکیں گے۔ اس لیے انہوں نے سب کو چھوڑ کر وہاں سے نکلنے کا ارادہ کر لیا۔ جب یہ لوگ اپنے دین کو بچانے کے لیے قربانی دینے پر تیار ہو گئے تو ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوئی۔ ان سے فرما دیا گیا:

''جاؤ تم کسی غار میں پناہ حاصل کرو تم پر تمہارے ربّ کی رحمت ہوگی اور وہ تمہارے کام میں آسانی اور راحت مہیا فرما دے گا۔''

پس یہ لوگ موقع پا کر وہاں سے بھاگ نکلے اور ایک پہاڑ کے غار میں چھپ گئے۔ قوم نے انہیں ہر طرف تلاش کیا، لیکن وہ نہ ملے... اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے دیکھنے سے عاجز

کر دیا... بالکل اسی قسم کا واقعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا تھا جب آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ غارِ ثور میں پناہ لی تھی، لیکن مشرکین غار کے منہ تک آ جانے کے باوجود آپ کو دیکھ نہیں سکے تھے۔

اس واقعے میں بھی چند روایات میں تفصیل اس طرح ہے کہ بادشاہ کے آدمیوں نے ان کا تعاقب کیا تھا اور غار تک پہنچ گئے تھے، لیکن غار میں وہ ان لوگوں کو نظر نہیں آئے تھے۔ قرآن کریم کا اعلان ہے کہ اس غار میں صبح شام دھوپ آتی جاتی ہے۔

یہ غار کس شہر کے کس پہاڑ میں ہے، یہ یقینی طور پر کسی کو معلوم نہیں... پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر دی۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹیں بدلواتے رہے۔ ان کا کتا بھی غار میں ان کے ساتھ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی قدرتِ کاملہ سے انہیں سلا دیا تھا، اسی طرح انہیں جگا دیا۔ وہ تین سو نو سال تک سوتے رہے تھے۔ اب تین سو نو سال بعد جاگے تو بالکل ایسے تھے جیسے ابھی کل ہی سوئے تھے۔

☆☆☆

لوہے کی دیوار

ان کے بدن، کھال، بال غرض ہر چیز بالکل صحیح سلامت تھی۔ یعنی جیسے سوتے وقت تھے، بالکل ویسے ہی تھے۔ کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ آپس میں کہنے لگے:

''کیوں بھئی! بھلا ہم کتنی دیر تک سوتے رہے ہیں؟''

ایک نے جواب دیا:

''ایک دن یا اس سے بھی کم۔''

یہ بات اس نے اس لیے کہی تھی کہ وہ صبح کے وقت سوئے تھے اور جب جاگے تو شام کا وقت تھا۔ اس لیے انہوں نے یہی خیال کیا کہ وہ ایک دن یا اس سے کم سوئے ہیں۔ پھر ایک نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی:

''اس کا درست علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے۔''

اب انہیں شدید بھوک پیاس کا احساس ہوا۔ انہوں نے سوچا، بازار سے کھانا منگوانا چاہیے۔ پیسے ان کے پاس تھے۔ ان میں سے کچھ وہ اللہ کے راستے میں خرچ کر چکے تھے، کچھ ان کے پاس باقی تھے۔ ایک نے کہا:

''ہم میں سے کوئی پیسے لے کر بازار چلا جائے اور کھانے کی کوئی پاکیزہ اور عمدہ چیز لے آئے اور جاتے ہوئے اور آتے ہوئے اس بات کا خیال رکھے کہ کہیں لوگوں کی نظر اس پر

نہ پڑ جائے۔ سودا خریدتے وقت بھی ہوشیاری سے کام لے، کسی کی نظروں میں نہ آئے۔ اگر انہیں ہمارے بارے میں معلوم ہوگیا تو پھر ہماری خیر نہیں۔ دقیانوس کے آدمی ابھی تک ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔''

چنانچہ ان میں سے ایک غار سے باہر نکلا، اسے سارا نقشہ ہی بدلا نظر آیا۔ اب اسے کیا معلوم تھا کہ وہ تین سو نو سال تک سوتے رہے ہیں۔ اس نے دیکھا، کوئی چیز اپنے پہلے حال پر نہیں تھی۔ شہر میں کوئی بھی اسے جانا پہچانا نظر نہ آیا۔ یہ حیران تھا، پریشان تھا اور ڈرے ڈرے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا دماغ چکرا رہا تھا، سوچ رہا تھا، کل شام تو ہم اس شہر کو چھوڑ کر گئے ہیں، پھر یہ اچانک کیا ہوگیا ہے۔ جب زیادہ پریشان ہوا تو اس نے اپنے دل میں فیصلہ کیا، مجھے جلد از جلد سودا لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔

آخر وہ ایک دکان پر پہنچا، دکان دار کو پیسے دیے اور کھانے پینے کا سامان طلب کیا۔

دکان دار اس سکے کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے وہ سکہ ساتھ والے دکان دار کو دکھایا اور بولا:

''بھائی ذرا دیکھنا! یہ سکہ کس زمانے کا ہے؟''

اس نے دوسرے کو دیا۔ اس طرح سکہ کئی ہاتھوں میں گھوم گیا۔ کئی آدمی وہاں جمع ہوگئے۔ آخر انہوں نے اس سے پوچھا:

''تم یہ سکہ کہاں سے لائے ہو... تم کس ملک کے رہنے والے ہو؟''

جواب میں اس نے کہا:

''میں تو اسی شہر کا رہنے والا ہوں، کل شام ہی کو تو یہاں سے گیا ہوں، یہاں کا بادشاہ دقیانوس ہے۔''

وہ سب اس کی بات سن کر ہنس پڑے اور بولے:

''یہ تو کوئی پاگل ہے، اسے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے چلو۔''

آخر اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہاں اس سے سوالات ہوئے۔ اس نے تمام

حال کہہ سنایا۔

بادشاہ اور سب لوگ اس کی کہانی سن کر حیرت زدہ رہ گئے۔ آخر انہوں نے کہا:

''اچھا ٹھیک ہے... تم ہمیں اپنے ساتھیوں کے پاس لے چلو... وہ غار ہمیں بھی دکھاؤ۔''

چنانچہ سب لوگ اس کے ساتھ غار کی طرف روانہ ہوئے۔ ان نوجوانوں سے ملے اور انہیں بتایا کہ دقیانوس کی بادشاہت ختم ہوئے تین صدیاں بیت چکی ہیں اور اب یہاں اللہ کے نیک بندوں کی حکومت ہے۔ بہر حال ان نوجوانوں نے اپنی بقیہ زندگی اسی غار میں گزاری اور وہیں وفات پائی۔ بعد میں لوگوں نے ان کے اعزاز کے طور پر پہاڑ کی بلندی پر ایک مسجد تعمیر کی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب شہر جانے والا پہلا نوجوان لوگوں کو لے کر غار کے قریب پہنچا تو اس نے کہا:

''تم لوگ یہیں ٹھہرو، میں جا کر انہیں خبر کر دوں۔''

اب یہ ان سے الگ ہو کر غار میں داخل ہو گیا۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان پر پھر نیند طاری کر دی... بادشاہ اور اس کے ساتھی اسے تلاش کرتے رہ گئے... نہ وہ ملا، اور نہ ہی وہ غار انہیں نظر آیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی نظروں سے غار کو اور ان سب کو چھپا دیا۔

ان کے بارے میں لوگ خیال ظاہر کرتے رہے کہ وہ سات تھے، آٹھواں ان کا کتا تھا، یا وہ نو تھے، دسواں ان کا کتا تھا۔ بہر حال ان کی گنتی کا صحیح علم اللہ ہی کو ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

''ان کے بارے میں زیادہ بحث نہ کریں اور نہ ان کے بارے میں کسی سے دریافت کریں (کیونکہ ان کے بارے میں لوگ اپنی طرف سے باتیں کرتے ہیں۔ کوئی صحیح دلیل ان کے پاس نہیں)۔''

مشرکین کا دوسرا سوال تھا، ذوالقرنین کون تھا۔ ذوالقرنین کے بارے میں تفصیلات یوں ملتی ہیں:

''ذوالقرنین ایک نیک، خدا رسیدہ اور زبردست بادشاہ تھے۔ انہوں نے تین بڑی مہمات سر کیں، پہلی مہم میں وہ اس مقام تک پہنچے، جہاں سورج غروب ہوتا ہے، یہاں انہیں ایک ایسی قوم ملی جس کے بارے میں اللہ نے انہیں اختیار دیا کہ چاہیں تو اس قوم کو سزا دیں، چاہیں تو ان کے ساتھ نیک سلوک کریں۔

ذوالقرنین نے کہا کہ

''جو شخص ظالم ہے، ہم اسے سزا دیں گے اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ بھی اسے سزا دیں گے، البتہ مومن بندوں کو نیک بدلہ ملے گا۔''

دوسری مہم میں وہ اس مقام تک پہنچے جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے، وہاں انہیں ایسے لوگ ملے، جن کے مکانات کی کوئی چھت وغیرہ نہیں تھی۔ تیسری مہم میں وہ دو گھاٹیوں کے درمیان پہنچے، یہاں کے لوگ ان کی بات نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے اشاروں میں یا ترجمان کے ذریعے یاجوج ماجوج کی تباہ کاریوں کا شکوہ کرتے ہوئے ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے اور یاجوج ماجوج کے درمیان ایک بند بنا دیں۔ ذوالقرنین نے لوہے کی چادریں منگوائیں۔ پھر ان سے ایک دیوار بنا دی۔ اس میں تانبا پگھلا کر ڈالا گیا۔ اس کام کے ہونے پر ذوالقرنین نے کہا:

''یہ اللہ کا فضل ہے کہ مجھ سے اتنا بڑا کام ہو گیا۔''

قیامت کے قریب یاجوج ماجوج اس دیوار کو توڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

ذوالقرنین کے بارے میں مختلف وضاحتیں کتابوں میں ملتی ہیں۔ قرنین کے معنیٰ دو سمتوں کے ہیں، ذوالقرنین دنیا کے دو کناروں تک پہنچے تھے اس لیے انہیں ذوالقرنین کہا گیا۔

بعض نے قرن کے معنیٰ سینگ کے لیے ہیں، یعنی دو سینگوں والے۔ ان کا نام سکندر تھا، لیکن یہ یونان کے سکندر نہیں ہیں جسے سکندر اعظم کہا جاتا ہے یونانی سکندر کافر تھا جبکہ یہ مسلم اور ولی اللہ تھے۔ یہ سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، خضر علیہ السلام ان کی فوج کا جھنڈا اُٹھانے والے تھے۔

تیسرے سوال یعنی روح کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم سے قائم ہے، یعنی روح کی حقیقت اسی کے علم میں ہے، اس کے سوا اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔

روح کے بارے میں یہودیوں کی کتابوں میں بھی بالکل یہی بات درج تھی کہ روح اللہ کے حکم سے قائم ہے۔ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور اس نے اپنے سوا کسی کو نہیں دیا۔ یہودیوں نے مشرکوں سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر انہوں نے روح کے متعلق کچھ بتایا تو سمجھ لینا، وہ نبی نہیں ہیں اور اگر صرف یہ کہا کہ روح اللہ کے حکم سے قائم ہے تو سمجھ لینا کہ وہ سچے نبی ہیں، آپ نے بالکل یہی جواب ارشاد فرمایا۔

لگے ہاتھوں یہاں ایک واقعہ بھی سن لیں، جب مسلمانوں نے ہندوستان فتح کیا تو ہندو مذہب کا ایک عالم مسلمان عالموں سے مناظرہ کرنے کے لیے آیا۔ اس نے مطالبہ کیا، میرے مقابلے میں کسی عالم کو بھیجو۔ اس پر لوگوں نے امام رکن الدین کی طرف اشارہ کیا۔

☆☆☆

حق دلوادیا

اب اس ہندوستانی نے ان سے پوچھا:

''تم کس کی عبادت کرتے ہو؟''

انہوں نے جواب دیا:

''ہم اس اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو سامنے نہیں ہے۔''

اس پر اس ہندی عالم نے پوچھا:

''تمہیں اس کی خبر کس نے دی؟''

امام رکن الدین بولے:

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے۔''

اس پر اس ہندی نے کہا:

''تمہارے پیغمبر نے روح کے بارے میں کیا کہا ہے؟''

امام بولے:

''یہ کہ روح میرے ربّ کے حکم سے قائم ہے۔''

اس پر اس ہندی عالم نے کہا:

''تم سچ کہتے ہو۔''

پھر وہ مسلمان ہوگیا۔

☆

ایک روز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجدِ حرام میں تشریف فرما تھے۔ ایسے میں قبیلہ زبید کا ایک شخص وہاں آیا۔ اس وقت نزدیک ہی قریش مکہ بھی مجمع لگائے وہاں بیٹھے تھے۔ قبیلہ زبید کا وہ شخص ان کے نزدیک گیا اور ارد گرد گھومنے لگا۔ پھر اس نے کہا:

''اے قریش! کوئی شخص کیسے تمہارے علاقے میں داخل ہوسکتا ہے اور کوئی تاجر کیسے تمہاری سرزمین پر آسکتا ہے جب کہ تم ہر آنے والے پر ظلم کرتے ہو؟''

یہ کہتے ہوئے جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے تو آپ نے اس سے فرمایا:

''تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟''

اس نے بتایا:

''میں اپنے اونٹوں میں سے تین بہترین اونٹ بیچنے کے لیے لے کر آیا تھا مگر ابوجہل نے یہاں ان تینوں اونٹوں کی اصل قیمت سے صرف ایک تہائی قیمت لگائی اور ایسا اس نے جان بوجھ کر کیا، کیونکہ وہ جانتا ہے، وہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ اس کی لگائی ہوئی قیمت سے زیادہ رقم کوئی نہیں لگائے گا، مطلب یہ کہ اب مجھے وہ اونٹ اس قدر کم قیمت پر فروخت کرنے پڑیں گے، یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ میرا تجارت کا یہ سفر بے کار جائے گا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پوری بات سن کر فرمایا:

''تمہارے اونٹ کہاں ہیں؟''

اس نے بتایا:

''یہیں خزورہ کے مقام پر ہیں۔''

آپ اسی وقت اٹھے، اپنے صحابہ کو ساتھ لیا۔ اونٹوں کے پاس پہنچے۔ آپ نے دیکھا،

اونٹ واقعی بہت عمدہ تھے۔ آپ نے اس سے ان کا بھاؤ کیا اور آخر خوش دلی سے سودا طے ہوگیا۔ آپ نے وہ اونٹ اس سے خرید لیے۔ پھر آپ نے ان میں سے دو زیادہ عمدہ اونٹ فروخت کردیے اور ان کی قیمت بیوہ عورتوں میں تقسیم فرمادی۔ وہیں بازار میں ابوجہل بیٹھا تھا۔ اس نے یہ سودا ہوتے دیکھا، لیکن ایک لفظ نہ بول سکا۔ آپ اس کے پاس آئے اور فرمایا:

''خبردار عمرو! (ابوجہل کا نام) اگر تم نے آیندہ ایسی حرکت کی تو بہت سختی سے پیش آؤں گا۔''

یہ سنتے ہی وہ خوف زدہ انداز میں بولا:

''محمد! میں آیندہ ایسا نہیں کروں گا... میں آیندہ ایسا نہیں کروں گا۔''

اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے لوٹ آئے۔ ادھر راستے میں امیہ بن خلف ابوجہل سے ملا۔ اس کے ساتھ دوسرے ساتھی بھی تھے۔ ان لوگوں نے ابو جہل سے پوچھا:

''تم تو محمد کے ہاتھوں بہت رسوا ہو کر آرہے ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو تم ان کی پیروی کرنا چاہتے ہو یا تم ان سے خوف زدہ ہوگئے ہو۔''

اس پر ابوجہل نے کہا:

''میں ہرگز محمد کی پیروی نہیں کرسکتا، میری جو کمزوری تم نے دیکھی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا تو ان کے دائیں بائیں بہت سارے آدمی نظر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے اور بھالے تھے اور وہ ان کو میری طرف لہرا رہے تھے۔ اگر میں اس وقت ان کی بات نہ مانتا تو وہ سب لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑتے۔''

ابوجہل ایک یتیم کا سرپرست بنا، پھر اس کا سارا مال غصب کرکے اسے نکال باہر کیا۔ وہ یتیم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابوجہل کے خلاف فریاد لے کر آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس یتیم کو لیے ابوجہل کے پاس پہنچے۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''اس یتیم کا مال واپس کر دو۔''

ابوجہل نے فوراً مال اس لڑکے کے حوالے کر دیا۔ مشرکین کو یہ بات معلوم ہوئی تو بہت حیران ہوئے، انہوں نے ابوجہل سے کہا:

''کیا بات ہے؟ تم اس قدر بزدل کب سے ہو گئے کہ فوراً ہی مال اس لڑکے کے حوالے کر دیا۔''

اس پر اس نے کہا:

''تمہیں نہیں معلوم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں مجھے بہت خوفناک ہتھیار نظر آئے تھے۔ میں ان سے ڈر گیا۔ اگر میں اس یتیم کا مال نہ لوٹاتا تو وہ ان ہتھیاروں سے مجھے مار ڈالتے۔''

قبیلہ خثعم کی ایک شاخ اراشہ تھی۔ اس کے ایک شخص سے ابوجہل نے کچھ اونٹ خریدے، لیکن قیمت ادا نہ کی۔ اس نے قریش کے لوگوں سے فریاد کی۔ ان لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے کا پروگرام بنا لیا۔ انہوں نے اس اراشی سے کہا:

''تم محمد کے پاس جا کر فریاد کرو۔''

ایسا انہوں نے اس لیے کہا تھا کہ ان کا خیال تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

اراشی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ آپ نے فوراً اسے ساتھ لیا اور ابوجہل کے مکان پر پہنچ گئے۔ اس کے دروازے پر دستک دی۔ ابوجہل نے اندر سے پوچھا:

''کون ہے؟''

آپ نے فرمایا:

''محمد!''

ابوجہل فوراً باہر نکل آیا۔ آپ کا نام سنتے ہی اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''اس شخص کا حق فوراً ادا کر دو۔''

اس نے کہا:

''بہت اچھا! ابھی لایا۔''

اس نے اسی وقت اس کا حق ادا کر دیا۔ اب وہ شخص واپس اسی قریشی مجلس میں آیا اور ان سے بولا:

''اللہ تعالیٰ ان (یعنی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو جزائے خیر دے۔ اللہ کی قسم! انہوں نے میرا حق مجھے دلوا دیا۔''

مشرک لوگوں نے بھی اپنا ایک آدمی ان کے پیچھے بھیجا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہ دیکھتا رہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے ہیں، چنانچہ جب وہ واپس آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا:

''ہاں! تم نے کیا دیکھا؟''

جواب میں اس نے کہا:

''میں نے ایک بہت ہی عجیب اور حیرت ناک بات دیکھی ہے۔''

☆☆☆

مشرکین کی گستاخیاں

''اللہ کی قسم! محمد نے جیسے ہی اس کے دروازے پر دستک دی تو وہ فوراً اس حالت میں باہر نکل آیا گویا اس کا چہرہ بالکل بے جان اور زرد ہو رہا تھا۔ محمد نے اس سے کہا کہ اس کا حق ادا کر دو، وہ بولا، بہت اچھا۔ یہ کہہ کر وہ اندر گیا اور اسی وقت اس کا حق لا کر دے دیا۔''

قریشی سردار یہ سارا واقعہ سن کر بہت حیران ہوئے۔ اب انہوں نے ابوجہل سے کہا:

''تمہیں شرم نہیں آتی، جو حرکت تم نے کی، ایسی تو ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔''

جواب میں اس نے کہا:

''تمہیں کیا پتا، جونہی محمد نے میرے دروازے پر دستک دی اور میں نے ان کی آواز سنی تو میرا دل خوف اور دہشت سے بھر گیا۔ پھر میں باہر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک بہت قد آور اونٹ میرے سر پر کھڑا ہے، میں نے آج تک اتنا بڑا اونٹ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اگر میں ان کی بات ماننے سے انکار کر دیتا تو وہ اونٹ مجھے کھا لیتا۔''

کچھ مشرک ایسے بھی تھے جو مستقل طور پر آپ کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: یہ لوگ جو آپ پر ہنستے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو معبود قرار دیتے ہیں، ان سے آپ کے لیے ہم کافی ہیں (سورۃ الحجر: آیت 95)۔

ان مذاق اڑانے والوں میں ابوجہل، ابولہب، عقبہ بن ابی معیط، حکم ابن عاص بن امیہ

(جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چچا تھا) اور عاص بن وائل شامل تھے۔

ابولہب کی حرکات میں سے ایک حرکت یہ تھی کہ وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دروازے پر گندگی پھینک جایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ یہی حرکت کر کے جا رہا تھا کہ اسے اس کے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے وہ گندگی اٹھا کر فوراً ابولہب کے سر پر ڈال دی۔

اسی طرح عقبہ بن ابی معیط نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دروازے پر گندگی ڈال جایا کرتا تھا۔ عقبہ نے ایک روز آپ کے چہرۂ مبارک کی طرف تھوکا، وہ تھوک لوٹ کر اسی کے چہرے پر آ پڑا۔ جس حصے پر وہ تھوک گرا، وہاں کوڑھ جیسا نشان بن گیا۔

ایک مرتبہ عقبہ بن ابی معیط سفر سے واپس آیا تو اس نے ایک بڑی دعوت دی۔ تمام قریشی سرداروں کو کھانے پر بلایا۔ اس موقعے پر اس نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی بلایا مگر جب کھانا مہمانوں کے سامنے چنا گیا تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

''میں اس وقت تک تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک کہ تم یہ نہ کہو، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

چوں کہ مہمان نوازی عرب کے لوگوں کی خاص علامت تھی اور وہ مہمان کو کسی قیمت پر ناراض نہیں ہونے دیتے تھے اس لیے عقبہ نے کہہ دیا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھا لیا۔ کھانے کے بعد سب لوگ اپنے گھر چلے گئے۔ عقبہ بن ابی معیط، ابی بن خلف کا دوست تھا۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ عقبہ نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ ابی بن خلف اس کے پاس آیا اور بولا:

''عقبہ! کیا تم بے دین ہو گئے ہو؟''

جواب میں اس نے کہا:

''خدا کی قسم! میں بے دین نہیں ہوا (یعنی مسلمان نہیں ہوا ہوں)۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ایک معزز آدمی میرے گھر آیا اور اس نے یہ کہہ دیا کہ میں جب تک اس کے کہنے کے مطابق توحید کی گواہی نہیں دوں گا، وہ میرے ہاں کھانا نہیں کھائے گا، مجھے اس بات سے شرم آئی کہ ایک شخص میرے گھر آئے اور کھانا کھائے بغیر چلا جائے۔ اس لیے میں نے وہ الفاظ کہہ دیے اور اس نے کھانا کھالیا، لیکن سچ یہی ہے کہ میں نے وہ کلمہ دل سے نہیں کہا تھا۔''

یہ بات سن کر ابی بن خلف کا اطمینان نہ ہوا، اس نے کہا:

''میں اس وقت تک نہ اپنی شکل تمہیں دکھاؤں گا، نہ تمہاری شکل دیکھوں گا جب تک کہ تم محمد کا منہ نہ چڑاؤ، ان کے منہ پر نہ تھوکو اور ان کے منہ پر نہ مارو۔''

یہ سن کر عقبہ نے کہا:

''یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔''

اس کے بعد جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بدبخت کے سامنے آئے، اس نے آپ کا منہ چڑایا، آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوکا، لیکن اس کا تھوک آپ کے چہرۂ مبارک تک نہ پہنچا بلکہ خود اس کے منہ پر آ کر گرا۔ اس نے محسوس کیا، گویا آگ کا کوئی انگارہ اس کے چہرے پر آ گیا ہے۔ اس کے چہرے پر جلنے کا نشان باقی رہ گیا اور مرتے دم تک رہا۔

اسی عقبہ بن معیط کے بارے میں سورہ فرقان کی آیت 37 نازل ہوئی:

ترجمہ: جس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہے گا، کیا ہی اچھا ہوتا، میں رسول کے ساتھ دین کی راہ پر لگ جاتا۔

اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

''جس روز ظالم آدمی جہنم میں کہنی تک اپنا ایک ہاتھ دانتوں سے کاٹے گا، پھر دوسرے ہاتھ کو کاٹ کر کھائے گا، جب دوسرا کھا چکے گا تو پہلا پھر اُگ آئے گا اور وہ اس کو کاٹنے

لگے گا۔غرض اسی طرح کرتا رہے گا۔''

اسی طرح حکم بن عاص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسخرہ پن کرتا تھا۔ ایک روز آپ چلے جا رہے تھے۔ یہ آپ کے پیچھے چل پڑا۔آپ کا مذاق اُڑانے کے لیے منہ اور ناک سے طرح طرح کی آوازیں نکالنے لگا۔آپ چلتے چلتے اس کی طرف مڑے اور فرمایا:

''تو ایسا ہی ہو جا۔''

چنانچہ اس کے بعد یہ ایسا ہو گیا تھا کہ اس کے منہ اور ناک سے ایسی ہی آوازیں نکلتی رہتی تھیں۔ایک ماہ تک یہ بے ہوشی کی حالت میں رہا۔اس کے بعد مرنے تک اس کے منہ اور ناک سے ایسی ہی آوازیں نکلتی رہیں۔

اسی طرح عاص بن وائل بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔وہ کہا کرتا تھا:

''محمد! اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو (نعوذ باللہ) یہ کہہ کر دھوکا دے رہے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، خدا کی قسم ہماری موت صرف زمانے کی گردش اور وقت کے گزرنے کی وجہ سے آتی ہے۔''

اسی عاص بن وائل کا ایک واقعہ اور ہے۔حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ مکہ میں لوہار کا کام کرتے تھے، تلواریں بناتے تھے۔انہوں نے عاص بن وائل کو کچھ تلواریں فروخت کی تھیں، ان کی اس نے ابھی قیمت ادا نہیں کی تھی۔خباب بن ارت رضی اللہ عنہ اس سے قیمت کا تقاضا کرنے کے لیے گئے تو اس نے کہا:

''خباب! تم محمد کے دین پر چلتے ہو، کیا وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ جنت والوں کو سونا، چاندی، قیمتی کپڑے، خدمت گار اور اولاد مرضی کے مطابق ملے گی؟''

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بولے:

''ہاں! یہی بات ہے۔''

اب عاص نے ان سے کہا:

''میں اس وقت تک تمہارا قرض نہیں دوں گا جب تک کہ تم محمد کے دین کا انکار نہیں کرو گے۔''

☆☆☆

مذاق اُڑانے والے

جواب میں خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین نہیں چھوڑ سکتا۔''

اسی طرح ان مذاق اُڑانے والوں میں سے ایک اسود بن عبد یغوث بھی تھا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں زاد تھا۔ جب بھی مسلمانوں کو دیکھتا تو اپنے ساتھیوں سے کہتا:

''دیکھو! تمہارے سامنے روئے زمین کے وہ بادشاہ آرہے ہیں جو کسریٰ اور قیصر کے وارث بننے والے ہیں۔''

یہ بات وہ اس لیے کہتا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکثر کے لباس پھٹے پرانے ہوتے تھے، وہ مفلس اور نادار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پیش گوئی فرما چکے تھے کہ مجھے ایران اور روم کی سلطنتوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔

اسود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی کہا کرتا تھا:

''محمد! آج تم نے آسمانوں کی باتیں نہیں سنائیں، آج آسمان کی کیا خبریں ہیں۔''

یہ اور اس کے ساتھی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو سیٹیاں بجاتے تھے، آنکھیں مٹکاتے تھے۔

اسی قسم کا ایک آدمی نضر بن حارث تھا۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق

اڑانے والوں میں شامل تھا۔

ان میں سے اکثر لوگ ہجرت سے پہلے ہی مختلف آفتوں اور بلاؤں میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوئے۔

ان مذاق اڑانے والوں میں سے ایک حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا باپ ولید بن مغیرہ بھی تھا۔ یہ ابوجہل کا چچا تھا۔ قریش کے دولت مند لوگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ حج کے زمانے میں تمام حاجیوں کو کھانا کھلاتا تھا، کسی کو چولہا جلانے نہیں دیتا تھا، لوگ اس کی بہت تعریف کیا کرتے تھے، اس کے قصیدے پڑھتے تھے۔ اس کے بہت سے باغات تھے۔ ایک باغ تو ایسا تھا جس میں تمام سال پھل لگتا تھا، لیکن اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر تکالیف پہنچائیں کہ آپ نے اس کے لیے بددعا فرمادی۔ اس کے بعد اس کا تمام مال ختم ہو گیا، باغات تباہ ہو گئے، پھر حج کے دنوں میں اس کا کوئی نام لینے والا بھی نہ رہا۔

ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے، اس وقت آپ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا:

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کو مذاق اڑانے والوں سے نجات دلاؤں۔''

ایسے میں ولید بن مغیرہ اس طرف سے گزرا۔ جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

''آپ اسے کیسا سمجھتے ہیں؟''

آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا ایک برا بندہ ہے۔''

یہ سن کر حضرت جبرئیل نے ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ کیا اور بولے:

''میں نے اسے انجام تک پہنچا دیا ہے۔''

پھر عاص بن وائل سامنے سے گزرا تو جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا:

''اسے آپ کیسا آدمی پاتے ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ بھی ایک برا بندہ ہے۔''

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے پیر کی طرف اشارہ کیا، پھر بولے:

''میں نے اسے انجام تک پہنچادیا ہے۔''

اس کے بعد اسود وہاں سے گزرا۔ اس کے بارے میں بھی آپ نے یہی فرمایا کہ برا آدمی ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا اور بولے: ''میں نے اسے انجام تک پہنچادیا ہے۔'' پھر حارث بن عیطلہ گزرا۔ حضرت جبرئیل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''میں نے اسے انجام تک پہنچادیا ہے۔''

اس واقعے کے بعد اسود بن عبد یغوث اپنے گھر سے نکلا تو اس کو لُو کے تھپیڑوں نے جھلسا دیا۔ اس کا چہرہ جل کر بالکل سیاہ ہوگیا۔ جب یہ واپس اپنے گھر میں داخل ہوا تو گھر کے لوگ اسے پہچان نہ سکے۔ انہوں نے اسے گھر سے نکال دیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ زبردست پیاس میں مبتلا ہوگیا، مسلسل پانی پیتا رہتا تھا، یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا۔

حارث بن عیطلہ کے ساتھ یہ ہوا کہ اس نے ایک نمکین مچھلی کھالی، اس کے بعد اسے شدید پیاس نے آلیا۔ یہ پانی پیتا رہا، یہاں تک کہ اس کا بھی پیٹ پھٹ گیا۔

ولید بن مغیرہ ایک روز ایک شخص کے پاس سے گزرا، وہ تیر بنا رہا تھا۔ اتفاق سے ایک تیر اس کے کپڑے میں الجھ گیا۔ ولید نے تکبر کی وجہ سے جھک کر اس کا تیر نکالنے کی کوشش نہ کی اور آگے بڑھنے لگا تو وہ تیر اس کی پنڈلی میں چبھ گیا۔ اس کی وجہ سے زہر پھیل گیا اور وہ مر گیا۔

عاص بن وائل کے تلوے میں ایک کانٹا چبھا۔ اس کی وجہ سے اس کے پیر پر اتنا ورم آ گیا کہ وہ چکی کے پاٹ کی طرح چپٹا ہوگیا۔ اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوگئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق یہ لوگ ایک ہی رات میں ہلاک

ہوئے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ قریش مکہ مسلمانوں کو بے تحاشا تکالیف پہنچا رہے ہیں اور مسلمانوں میں ابھی اتنی طاقت نہیں کہ وہ اس بارے میں کچھ کہہ سکیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا:

''تم لوگ روئے زمین پر ادھر ادھر پھیل جاؤ، اللہ تعالیٰ پھر تمہیں ایک جگہ جمع فرما دے گا۔''

''ہم کہاں جائیں؟۔''صحابہ کرام نے پوچھا۔

آپ نے ملک حبشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''تم لوگ ملک حبشہ کی طرف چلے جاؤ، اس لیے کہ وہاں کا بادشاہ نیک ہے، وہ کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا، وہ سچائی کی سرزمین ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ان مصیبتوں کا خاتمہ کر کے تمہارے لیے آسانیاں پیدا کر دے۔''

حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے دین کو بچانے کے لیے ادھر سے ادھر کہیں گیا، چاہے وہ ایک بالشت ہی چلا، اس کے لیے جنت واجب کر دی جاتی ہے۔

چنانچہ اس حکم کے بعد بہت سے مسلمان اپنے دین کو بچانے کے لیے اپنے وطن سے ہجرت کر گئے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے بیوی بچوں کے ساتھ ہجرت کی اور کچھ ایسے تھے جنہوں نے تنہا ہجرت کی۔ جن لوگوں نے بیوی بچوں سمیت ہجرت کی، ان میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی ہجرت کر گئیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ہجرت کرنے والے شخص ہیں۔

☆☆☆

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لاتے ہیں

اسی طرح حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت کی۔ حضرت عامر ابن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بیوی کے ساتھ ہجرت کی۔ جن صحابہ نے تنہا ہجرت کی، ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف، حضرت عثمان ابن مظعون، حضرت سہیل ابن بیضاء، حضرت زبیر ابن العوام اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم۔

کفار کو جب ان کی ہجرت کا پتا چلا تو وہ تعاقب میں دوڑے، لیکن اس وقت تک یہ حضرات بحری جہاز پر سوار ہو چکے تھے۔ وہ جہاز تاجروں کے تھے۔ اس طرح یہ حضرات حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد ان لوگوں نے ایک غلط خبر سنی۔ وہ یہ تھی کہ تمام قریشِ مکہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد حبشہ کے بہت سے مہاجرین مکّہ روانہ ہوئے۔ نزدیک پہنچ کر پتا چلا کہ اطلاع غلط تھی، اب انہوں نے حبشہ جانا مناسب نہ سمجھا اور کسی نہ کسی کی پناہ حاصل کر کے مکّہ میں داخل ہو گئے۔

پناہ حاصل کرنے والے ان مہاجرین نے جب اپنے مسلمان بھائیوں پر اسی طرح، بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ظلم وستم ہوتے دیکھا تو انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ ہم پناہ کی وجہ سے اس ظلم سے محفوظ رہیں لہٰذا تو انہوں نے اپنی اپنی پناہ لوٹا دی اور کہا کہ ہم بھی اپنے بھائیوں کے

ساتھ ظلم وستم کا سامنا کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تک اسلام دشمنی پر کمر باندھے ہوئے تھے۔ایک روز وہ مکہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ان کی ملاقات ایک قریشی شخص سے ہوئی۔ان کا نام حضرت نعیم ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا۔یہ اس وقت تک اپنی قوم کے خوف سے اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تلوار تھی۔یہ پریشان ہوگئے، ان سے پوچھا:''کیا ارادے ہیں؟''وہ بولے:

''محمد کو قتل کرنے جارہا ہوں۔''

یہ سن کر حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا:

''پہلے اپنے گھر کی خبر لو،تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلال میں آگئے۔بہن کے گھر کا رخ کیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن کا نام فاطمہ تھا،ان کے شوہر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔یہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی بھی تھے۔ادھر خود حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔

بہن کے دروازے پر پہنچ کر انہوں نے دستک دی۔اندر سے پوچھا گیا:''کون ہے؟'' انہوں نے اپنا نام بتایا تو اندر یک لخت خاموشی چھا گئی۔

اندر اس وقت حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ انہیں قرآن پڑھا رہے تھے۔ انہوں نے فوراً قرآن کے اوراق چھپا دیے۔حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً بولے:

''اے اپنی جان کی دشمن!میں نے سنا ہے،تو بے دین ہوگئی ہے۔''

ساتھ ہی انہوں نے انہیں مارا۔ان کے جسم سے خون بہنے لگا۔خون کو دیکھ کر بولیں:

''عمر!تم کچھ بھی کرلو،میں مسلمان ہو چکی ہوں۔''

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''یہ کون سی کتاب تم پڑھ رہے تھے؟۔ مجھے دکھاؤ۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں:

''یہ کتاب تمہارے ہاتھ میں ہرگز نہیں دی جاسکتی، اس لیے کہ تم ناپاک ہو، پہلے غسل کرلو، پھر دکھائی جاسکتی ہے۔''

آخر انہوں نے غسل کیا، پھر قرآن مجید کے اوراق دیکھے۔ جیسے ہی ان کی نظر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر پڑی، ان پر ہیبت طاری ہوگئی۔ آگے سورۂ طٰہٰ تھی اس کی ابتدائی آیات پڑھ کر تو ان کی حالت غیر ہوگئی۔ بولے:

''مجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے چلو۔''

حضرت خباب بن ارت اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما اِدھر اُدھر چھپے ہوئے تھے، ان کے الفاظ سن کر سامنے آگئے۔ بعض روایات میں یہ آتا ہے کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مارا پیٹا تھا۔ اس کا مطلب ہے، صرف حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ چھپے ہوئے تھے۔

بہر حال اس موقعے پر وہ سامنے آگئے اور بولے:

''اے عمر! تمہیں بشارت ہو، اللہ کے رسول (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! دو آدمیوں میں سے ایک کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما۔ یا تو عمرو ابن ہشام (ابو جہل) کے ذریعے یا پھر عمر ابن خطاب کے ذریعے۔''

ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا تھا:

''ان دونوں میں سے جو تجھے محبوب ہو، اس کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ دعا بدھ کے روز مانگی تھی۔ جمعرات کے روز یہ واقعہ پیش آیا۔ حضرت خباب بن ارت اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما انہیں دارِارقم لے گئے۔ دروازے پر دستک دی گئی۔ اندر سے پوچھا گیا: ''کون ہے؟''۔ انہوں نے کہا: ''عمر ابن

خطاب‘‘۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی گئی کہ دروازے پر عمر ابن خطاب ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا:

’’دروازہ کھول دو، اگر اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے تو ہدایت پالے گا۔‘‘

دروازہ کھولا گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔ پھر دو صحابہ نے انہیں دائیں بائیں سے پکڑ کر آپ کی خدمت میں پہنچایا۔ آپ نے فرمایا:

’’انہیں چھوڑ دو۔‘‘

انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کرتے کا دامن پکڑ کر انہیں اپنی طرف کھینچا اور فرمایا:

’’اے ابن خطاب! اللہ کے لیے ہدایت کا راستہ اختیار کرو۔‘‘

انہوں نے فوراً کہا:

’’میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔‘‘

ان کے یہ الفاظ سنتے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے خوشی سے بے تاب ہو کر اس قدر زور سے تکبیر کہی کہ مکہ کے گوشے گوشے تک یہ آواز پہنچ گئی۔ آپ نے تین بار ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا:

’’اے اللہ! عمر کے دل میں جو میل ہے، اس کو نکال دے اور اس کی جگہ ایمان بھر دے۔‘‘

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ قریش کے پاس پہنچے۔ انہیں بتایا کہ وہ اسلام لے آئے ہیں۔ قریش ان کے گرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے:

’’لو عمر بھی بے دین ہو گیا ہے۔‘‘

عتبہ بن ربیعہ آپ پر جھپٹا، لیکن آپ نے اسے اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ پھر کسی کو ان کی طرف بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے اعلان فرمایا:

''اللہ کی قسم! آج کے بعد مسلمان اللہ تعالیٰ کی عبادت چھپ کر نہیں کریں گے۔''

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ دارِارقم سے نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار ہاتھ میں لیے آگے آگے چل رہے تھے۔ وہ کہتے جا رہے تھے:

''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔''

یہاں تک کہ سب حرم میں داخل ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قریش سے فرمایا:

''تم میں سے جس نے بھی اپنی جگہ سے حرکت کی، میری تلوار اس کا فیصلہ کرے گی۔''

☆☆☆

نجاشی کے دربار میں

اس کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور تمام مسلمانوں نے کعبہ کا طواف شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے آگے رہے۔ مسلمانوں نے کعبہ کے گرد نماز ادا کی۔ سب نے بلند آواز سے قرآن کی تلاوت بھی کی۔ جب کہ اس سے پہلے مسلمان ایسا نہیں کر سکتے تھے۔

اب تمام قریش نے مل کر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خاندان والوں سے کہا:

''تم ہم سے دوگنا خون بہا لے لو اور اس کی اجازت دے دو کہ قریش کا کوئی شخص آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو قتل کردے تاکہ ہمیں سکون مل جائے اور تمہیں فائدہ پہنچ جائے۔''

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خاندان والوں نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر قریش نے غصے میں آکر یہ طے کیا کہ تمام بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے اور ساتھ ہی انہوں نے طے کیا کہ بنو ہاشم کو بازاروں میں نہ آنے دیا جائے تاکہ وہ کوئی چیز نہ خرید سکیں۔ ان سے شادی بیاہ نہ کیا جائے اور نہ ان کے لیے کوئی صلح قبول کی جائے۔ ان کے معاملے میں کوئی نرم دلی نہ اختیار کی جائے، یعنی ان پر کچھ بھی

گزرے، ان کے لیے دل میں رحم کا جذبہ نہ پیدا ہونے دیا جائے اور یہ بائیکاٹ اس وقت تک جاری رہنا چاہیے جب تک کہ بنی ہاشم کے لوگ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو قتل کرنے کے لیے قریش کے حوالے نہ کر دیں۔

قریش نے اس معاہدے کی باقاعدہ تحریر لکھی، اس پر پوری طرح عمل کرانے اور اس کا احترام کرانے کے لیے اس کو کعبے میں لٹکا دیا۔

اس معاہدے کے بعد ابولہب کو چھوڑ کر تمام بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب شعب ابی طالب میں چلے گئے، یہ مکّہ سے باہر ایک گھاٹی تھی۔ ابولہب چونکہ قریش کا پکا طرف دار تھا اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا بدترین دشمن بھی تھا، اس لیے اسے گھاٹی میں جانے پر مجبور نہ کیا گیا۔ یوں بھی اس نے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قتل کے منصوبے میں قریش کا ساتھ دیا تھا، ان کی مخالفت نہیں کی تھی۔

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم جب شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے، اس وقت آپ کی عمر مبارک 46 سال تھی۔ بخاری میں ہے کہ اس گھاٹی میں مسلمانوں نے بہت مشکل اور سخت وقت گزارا۔ قریش کے بائیکاٹ کی وجہ سے انہیں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی۔ سب لوگ بھوک سے بے حال رہتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے گھاس پھوس اور درختوں کے پتے کھا کر یہ دن گزارے۔

جب بھی مکّہ میں باہر سے کوئی قافلہ آتا تو یہ مجبور اور بے کس حضرات فوراً وہاں پہنچ جاتے تاکہ ان سے کھانے پینے کی کچھ چیزیں خرید لیں لیکن ساتھ ہی ابولہب وہاں پہنچ جاتا اور کہتا:

"لوگو! محمد کے ساتھی اگر تم سے کچھ خریدنا چاہیں تو اس چیز کے دام اس قدر بڑھا دو کہ یہ تم سے کچھ خرید نہ سکیں، تم لوگ میری حیثیت اور ذمے داری کو اچھی طرح جانتے ہو۔"

چنانچہ وہ تاجر اپنے مال کی قیمت بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر بتاتے اور یہ حضرات ناکام ہو کر گھاٹی میں لوٹ آتے۔ وہاں اپنے بچوں کو بھوک اور پیاس سے بلکتا تڑپتا دیکھتے تو

آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ادھر بچے انہیں خالی ہاتھ دیکھ کر اور زیادہ رونے لگتے۔

ابولہب ان تاجروں سے سارا مال خود خرید لیتا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاندان کے لوگ قریش کے اس معاہدے کے بعد حالات کا رخ دیکھتے ہوئے خود اس گھاٹی میں چلے آئے تھے، یہ بات نہیں کہ قریش مکہ نے انہیں گرفتار کر کے وہاں قید کر دیا تھا۔

اس بائیکاٹ کے دوران بہت سے مسلمان ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ یہ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت تھی۔اس ہجرت میں اڑتیس مردوں اور بارہ عورتوں نے حصہ لیا۔ان لوگوں میں حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ان میں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبیداللہ بن جحش اور اس کی بیوی ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا بھی تھے۔ یہ عبیداللہ بن جحش حبشہ جا کر اسلام سے پھر گیا تھا اور اس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا... اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی۔اس کی بیوی اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر رہیں۔ان سے بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا۔

ان مسلمانوں کو حبشہ میں بہترین پناہ مل گئی، اس بات سے قریش کو اور زیادہ تکلیف ہوئی۔انہوں نے ان کے پیچھے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور عمارہ بن ولید کو بھیجا تا کہ یہ وہاں جا کر حبشہ کے بادشاہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکائیں (حضرت عمروؓ بن عاص رضی اللہ عنہ بعد میں مسلمان ہوئے)۔ یہ دونوں حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے لیے بہت سے تحائف لے کر گئے۔ بادشاہ کو تحائف پیش کیے۔تحائف میں قیمتی گھوڑے اور ریشمی جبے شامل تھے۔ بادشاہ کے علاوہ انہوں نے پادریوں اور دوسرے بڑے لوگوں کو بھی تحفے دیے... تا کہ وہ سب ان کا ساتھ دیں۔ بادشاہ کے سامنے جا کر دونوں نے اسے سجدہ کیا، بادشاہ نے انہیں اپنے دائیں بائیں بٹھا لیا۔اب انہوں نے بادشاہ سے کہا:

"ہمارے خاندان کے کچھ لوگ آپ کی سرزمین پر آئے ہیں۔ یہ لوگ ہم سے اور

ہمارے معبودوں سے بیزار ہو گئے ہیں۔ انہوں نے آپ کا دین بھی اختیار نہیں کیا۔ یہ ایک ایسے دین میں داخل ہو گئے ہیں جس کو نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ اب ہمیں قریش کے بڑے سرداروں نے آپ کے پاس بھیجا ہے تا کہ آپ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیں۔''

یہ سن کر نجاشی نے کہا:

''وہ لوگ کہاں ہیں؟۔''

انہوں نے کہا:

''آپ ہی کے ہاں ہیں۔''

نجاشی نے انہیں بلانے کے لیے فوراً آدمی بھیج دیے۔ ایسے میں ان پادریوں اور دوسرے سرداروں نے کہا:

''آپ ان لوگوں کو ان دونوں کے حوالے کر دیں، اس لیے کہ ان کے بارے میں یہ زیادہ جانتے ہیں۔''

نجاشی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا:

''پہلے میں ان سے بات کروں گا کہ وہ کس دین پر ہیں۔''

اب مسلمان دربار میں حاضر ہوئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''نجاشی سے بات میں کروں گا۔''

ادھر نجاشی نے تمام عیسائی عالموں کو دربار میں طلب کر لیا تھا تا کہ مسلمانوں کی بات سن سکیں۔ وہ اپنی کتابیں بھی اٹھا لائے تھے۔

مسلمانوں نے دربار میں داخل ہوتے وقت اسلامی طریقے کے مطابق سلام کیا، بادشاہ کو سجدہ نہ کیا، اس پر نجاشی بولا:

''کیا بات ہے، تم نے مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا؟''

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ فوراً بولے:

''ہم اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان ایک رسول بھیجے

ہیں... اور ہمیں حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کرو، اللہ کے رسول کی تعلیم کے مطابق ہم نے آپ کو وہی سلام کیا ہے جو جنت والوں کا سلام ہے۔''

نجاشی اس بات کو جانتا تھا، اس لیے کہ یہ بات انجیل میں تھی۔

☆☆☆

یہ تو وہی کلام ہے

اس کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کے رسول نے ہمیں نماز کا حکم دیا ہے اور زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔''

اس وقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو بھڑکانے کے لیے اس سے کہا:

''یہ لوگ ابن مریم یعنی عیسیٰ علیہما السلام کے بارے میں آپ سے مختلف عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ انہیں اللہ کا بیٹا نہیں مانتے۔''

اس پر نجاشی نے پوچھا:

''تم لوگ عیسیٰ ابن مریم اور مریم علیہما السلام کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟''

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ان کے بارے میں ہم وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یعنی کہ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اور کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔''

پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بادشاہ کے دربار میں یہ تقریر کی:

''اے بادشاہ! ہم ایک گمراہ قوم تھے، پتھروں کو پوجتے تھے، مردار جانوروں کا گوشت کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے۔ رشتے داروں کے حقوق غصب کرتے تھے۔ پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے۔ ہمارا ہر طاقت ور آدمی، کمزور کو دبا لیتا تھا۔ یہ تھی

ہماری حالت، پھر اللہ تعالیٰ نے ہم میں اسی طرح ایک رسول بھیجا، جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں میں رسول بھیجے جاتے رہے ہیں، یہ رسول ہم ہی میں سے ہیں۔ ہم ان کا حسب نسب، ان کی سچائی اور پاک دامنی اچھی طرح جانتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا کہ ہم اسے ایک جانیں، اس کی عبادت کریں اور یہ کہ اللہ کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں، ہم انہیں چھوڑ دیں۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ نماز پڑھیں، زکوۃ دیں، روزے رکھیں۔ انہوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت پوری کرنے، رشتے داروں کی خبر گیری کرنے، پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنے، برائیوں اور خون بہانے سے بچنے اور بدکاری سے دور رہنے کا حکم دیا، اسی طرح گندی باتیں کرنے، یتیموں کا مال کھانے اور گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ ہم نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لائے اور جو تعلیمات وہ لے کر آئے، ان کی پیروی کی۔ بس اس بات پر ہماری قوم ہماری دشمن بن گئی تا کہ ہمیں پھر پتھروں کی پوجا پر مجبور کر سکے۔ ان لوگوں نے ہم پر بڑے بڑے ظلم کیے۔ نئے سے نئے ظلم ڈھائے، ہمیں ہر طرح تنگ کیا۔ آخر کار جب ان کا ظلم حد سے بڑھ گیا اور یہ ہمارے دین کے راستے میں رکاوٹ بن گئے تو ہم آپ کی سرزمین کی طرف نکل پڑے، ہم نے دوسروں کے مقابلے میں آپ کو پسند کیا۔ ہم تو یہاں یہ امید لے کر آئے ہیں کہ آپ کے ملک میں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔''

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر نجاشی نے کہا:

''کیا آپ کے پاس اپنے نبی پر آنے والی وحی کا کچھ حصہ موجود ہے؟''

''ہاں! موجود ہے۔'' جواب میں حضرت جعفر بولے۔

''وہ مجھے پڑھ کر سنائیں۔'' نجاشی بولا۔

اس پر انھوں نے قرآنِ کریم سے سورۃ مریم کی چند ابتدائی آیات پڑھیں۔ آیات سن کر نجاشی اور اس کے درباریوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ نجاشی بولا:

''ہمیں کچھ اور آیات سناؤ۔''

اس پر حضرت جعفر نے کچھ اور آیات سنائیں۔ تب نجاشی نے کہا:

''اللہ کی قسم! یہ تو وہی کلام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ خدا کی قسم میں ان لوگوں کو کبھی تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔''

اس طرح قریشی وفد ناکام لوٹا۔ دوسری طرف مکہ کے مسلمان اسی طرح گھاٹی شعب ابی طالب میں مقیم تھے۔ وہ اس میں تین سال تک رہے۔ یہ تین سال بہت مصیبتوں کے تھے۔ اسی گھاٹی میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ یہ حالات دیکھ کر کچھ نرم دل قریشی لوگ بھی غمگین ہوتے تھے۔ ایسے لوگ کچھ کھانا پینا ان حضرات تک کسی نہ کسی طرح پہنچا دیا کرتے تھے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ قریش کے لکھے ہوئے معاہدے کو دیمک نے چاٹ لیا ہے۔

معاہدے کے الفاظ میں سے سوائے اللہ کے نام کے اور کچھ باقی نہیں بچا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ابو طالب کو بتائی۔ ابو طالب فوراً گئے اور قریش کے لوگوں سے کہا:

''تمہارے عہدنامے کو دیمک نے چاٹ لیا ہے اور یہ خبر مجھے میرے بھتیجے نے دی ہے، اس معاہدے پر صرف اللہ تعالیٰ کا نام باقی رہ گیا ہے۔ اگر بات اسی طرح ہے جیسا کہ میرے بھتیجے نے بتایا ہے تو معاملہ ختم ہو جاتا ہے، لیکن اگر تم اب بھی باز نہ آئے تو پھر سن لو، اللہ کی قسم! جب تک ہم میں آخری آدمی بھی باقی ہے، اس وقت تک ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔''

یہ سن کر قریش نے کہا:

''ہمیں تمہاری بات منظور ہے... ہم معاہدے کو دیکھ لیتے ہیں۔''

اب انہوں نے معاہدہ منگوایا۔ اس کو واقعی دیمک چاٹ چکی تھی۔ صرف اللہ کا نام باقی تھا۔ اس طرح مشرک اس معاہدے سے باز آ گئے۔ یہ معاہدہ جس شخص نے لکھا تھا، اس کا

ہاتھ شل ہو گیا تھا۔

معاہدہ کا یہ حال دیکھنے کے بعد قریشی لوگ شعب ابی طالب پہنچے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں سے کہا:

''آپ اپنے اپنے گھروں میں آ جائیں، وہ معاہدہ اب ختم ہو گیا ہے۔''

اس طرح تین سال بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی اپنے گھروں میں لوٹ آئے اور ظلم کا یہ باب بند ہوا۔

اس واقعے کے بعد نجران کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ عیسائی تھے۔ نجران ان کی بستی کا نام تھا۔ یہ بستی یمن اور مکہ کے درمیان واقع تھی اور مکے سے قریباً سات منزل دور تھی۔ اس وفد میں بیس آدمی تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں انہیں ان مہاجرین سے معلوم ہوا تھا جو مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حرم میں تھے۔ یہ لوگ آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ ادھر قریش مکہ بھی آس پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنے کان آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس وفد کی بات چیت کی طرف لگا دیے۔

☆☆☆

غم کا سال

جب نجران کے یہ لوگ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے باتیں کر چکے تو آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ قرآن کریم کی کچھ آیات پڑھ کر سنائیں۔ آیات سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ان کے دلوں نے اس کلام کی سچائی کی گواہی دے دی، چنانچہ فوراً ہی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لے آئے۔ ان لوگوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صفات اور خبریں پڑھ رکھی تھیں، اس لیے آپ کو دیکھ کر پہچان گئے کہ آپ ہی نبی آخرالزمان ہیں۔

اس کے بعد یہ لوگ اٹھ کر جانے لگے تو ابوجہل اور چند دوسرے قریشی سرداروں نے انہیں روکا اور کہا:

''خدا تمہیں رسوا کرے، تمہیں بھیجا تو اس لیے گیا تھا کہ تم یہاں اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کر کے انہیں بتاؤ مگر تم اس کے پاس بیٹھ کر اپنا دین ہی چھوڑ بیٹھے... تم سے زیادہ احمق اور بے عقل قافلہ ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔''

اس پر نجران کے لوگوں نے کہا:

''تم لوگوں کو ہمارا سلام ہے... ہم سے تمہیں کیا واسطہ، تم اپنے کام سے کام رکھو، ہمیں اپنی مرضی سے کام کرنے دو۔''

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدۃ میں ان کی تعریف بیان فرمائی۔ اسی طرح قبیلہ اَزد کے ایک شخص جن کا نام ضماد تھا مکہ آئے۔ یہ صاحب جھاڑ پھونک سے جنات کا اثر زائل کیا کرتے تھے۔ مکہ کے لوگوں کو انہوں نے یہ کہتے سنا کہ محمد پر جن کا اثر ہے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا:

''اگر میں اس شخص کو دیکھ لوں تو شاید اللہ تعالیٰ اسے میرے ہاتھ سے شفا عطا فرمادے۔''

اس کے بعد وہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا بیان ہے، میں نے آپ سے کہا:

''اے محمد! میں جھاڑ پھونک سے علاج کرتا ہوں، لوگ کہتے ہیں، آپ پر جنات کا اثر ہے... اگر بات یہی ہے تو میں آپ کا علاج کرسکتا ہوں۔''

ان کی بات سن کر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، ہم اسی کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے، اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہی نصیب کرتا ہے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔''

انہوں نے آپ کی بات سن کر کہا:

''یہ کلمات میرے سامنے دوبارہ پڑھیے۔''

آپ نے کلمہ شہادت تین مرتبہ دہرایا۔ تب انہوں نے کہا:

''میں نے کاہنوں کے کلمات سنے ہیں، جادوگروں اور شاعروں کے کلمات بھی سنے ہیں مگر آپ کے ان کلمات جیسے کلمات کبھی نہیں سنے۔ اپنا ہاتھ لائیے، میں اسلام قبول کرتا ہوں۔''

چنانچہ ضماد رضی اللہ عنہ نے اسی وقت آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ نے فرمایا:

''اپنی قوم کے لیے بھی بیعت کرتے ہو۔''

جواب میں انہوں نے کہا:

''ہاں! میں اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کرتا ہوں۔''

اس طرح یہ صاحب جو آپ پر سے جنات کا اثر اُتارنے کی نیت سے آئے تھے، خود مسلمان ہو گئے۔ ایسے اور بھی بہت سے واقعات پیش آئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو دس سال کا عرصہ گزر چکا تو آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا انتقال کر گئیں۔ اس سے چند دن پہلے ابو طالب فوت ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو حجون کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں اُترے۔ انتقال کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 65 سال تھی، اس وقت تک نماز جنازہ کا حکم نہیں ہوا تھا۔ اس سال کو سیرت نگاروں نے عام الحزن یعنی غم کا سال قرار دیا۔ کیونکہ ہر موقعے پر ساتھ دینے والی دو ہستیاں اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں۔ آپ ہر وقت غمگین رہنے لگے۔ گھر سے بھی کم نکلتے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا شادی کے بعد پچیس سال تک آپ کے ساتھ رہیں، اتنی طویل مدت تک آپ کا اور ان کا ساتھ رہا تھا۔

ابو طالب جب بیمار ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملنے کے لیے آئے۔ اس وقت قریش کے سردار بھی وہاں موجود تھے۔ آپ نے چچا سے فرمایا:

''چچا! آپ لا الہ الا اللہ پڑھ لیجیے تاکہ میں قیامت کے دن آپ کی شفاعت کر سکوں۔''

اس پر ابو طالب نے کہا:

''خدا کی قسم بھتیجے! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میرے بعد لوگ تمہیں اور تمہارے خاندان والوں کو شرم اور عار دلائیں گے اور قریش یہ کہیں گے کہ میں نے موت کے ڈر سے یہ کلمہ کہہ دیا تو میں یہ کلمہ پڑھ کر ضرور تمہارا دل ٹھنڈا کرتا۔ میں جانتا ہوں، تمہاری یہ کتنی خواہش ہے کہ میں یہ کلمہ پڑھ لوں... مگر میں اپنے بزرگوں کے دین پر مرتا ہوں۔''

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

''آپ جسے چاہیں، ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ جسے اللہ چاہے، ہدایت دیتا ہے اور

ہدایت پانے والوں کا علم بھی اسی کو ہے۔'' (سورۃ القصص: آیت 56)

اس طرح ابو طالب مرتے دم تک کافر ہی رہے۔ کفر پر ہی مرے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! ابو طالب ہمیشہ آپ کی مدد اور حمایت کرتے رہے، کیا اس سے انہیں آخرت میں فائدہ پہنچے گا۔'' جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہاں! مجھے ان کی قیامت کے دن کی حالت دکھائی گئی ہے۔ میں نے انہیں جہنم کے اوپر والے حصے میں پایا، ورنہ وہ جہنم کے نچلے حصے میں ہوتے۔'' (بخاری، مسلم)

ابو طالب کے مرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خدا کی قسم! میں اس وقت تک آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا، جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ ہی اس سے نہ روک دیں۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

''پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں، اگرچہ وہ رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں، اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔'' (سورۃ التوبہ۔ آیت:113)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ ابو طالب ایمان پر نہیں مرے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال رمضان کے مہینے میں ہوا تھا۔ ان کی وفات کے چند ماہ بعد آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے شادی فرمائی۔ آپ سے پہلے ان کی شادی ان کے چچا کے بیٹے حضرت سکران رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ حضرت سکران رضی اللہ عنہ دوسری ہجرت کے حکم کے وقت ان کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔ پھر مکہ واپس آ گئے تھے۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عدت کا زمانہ پورا ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرما لیا۔

اس نکاح سے پہلے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے ایک عجیب خواب دیکھا تھا۔ انہوں

نے اپنے شوہر سکران رضی اللہ عنہ سے یہ خواب بیان کیا۔ خواب سن کر سکران رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اگر تم نے واقعی یہ خواب دیکھا ہے تو میں جلد ہی مر جاؤں گا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تم سے نکاح فرمائیں گے۔''

دوسری رات انہوں نے پھر خواب دیکھا کہ وہ لیٹی ہوئی ہیں، اچانک چاند آسمان سے ٹوٹ کر ان کے پاس آ گیا۔ انہوں نے یہ خواب بھی اپنے شوہر کو سنایا، وہ یہ خواب سن کر بولے:

''اب شاید میں بہت جلد فوت ہو جاؤں گا۔''

اور اسی دن حضرت سکران رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے۔ شوال کے مہینے میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

☆☆☆

طائف کا سفر

ابو طالب کے انتقال کے بعد قریش کھل کر سامنے آ گئے۔ ایک روز انہوں نے آپ کو پکڑ لیا، ہر شخص آپ کو اپنی طرف کھینچنے لگا... اور کہنے لگے:

''یہ تُو ہی تو ہے جس نے ہمارے اتنے سارے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے۔''

ایسے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تڑپ کر یک دم آگے آ گئے۔ اس بھیڑ میں گھس گئے۔ کسی کو انہوں نے مار کر ہٹایا، کسی کو دھکا دیا، وہ ان لوگوں کو آپ سے ہٹاتے جاتے اور کہتے جاتے تھے:

''کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے، میرا ربّ اللہ ہے۔'' اس پر وہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے اور انہیں اتنا مارا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گئے۔ ہوش آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت معلوم کی، پتا چلا کہ خیرت سے ہیں تو اپنی تکلیف کو بھول گئے۔

شوال 10 نبوی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے۔ اس سفر میں صرف آپ کے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ساتھ تھے۔ طائف میں ثقیف کا قبیلہ آباد تھا۔ آپ یہ اندازہ کرنے کے لیے طائف تشریف لے گئے کہ قبیلہ ثقیف کے دلوں میں بھی اسلام کے لیے کچھ گنجائش ہے یا نہیں۔ آپ یہ امید بھی لے کر گئے تھے کہ

ممکن ہے، یہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور آپ کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوں۔

طائف پہنچ کر آپ نے سب سے پہلے اس قبیلے کے سرداروں کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ یہ تین بھائی تھے۔ ایک کا نام عبد یالیل تھا۔ دوسرے کا نام مسعود تھا، تیسرے کا نام حبیب تھا۔ ان تینوں کے بارے میں پوری طرح وضاحت نہیں ملتی کہ یہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے یا نہیں۔

بہر حال! آپ نے ان تینوں سے ملاقات کی۔ اپنے آنے کا مقصد بتایا، اسلام کے بارے میں بتایا، انہیں اسلام کی دعوت دینے کے ساتھ مخالفوں کے مقابلے میں ساتھ رہنے کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک نے کہا:

''کیا وہ تم ہی ہو جسے خدا نے بھیجا ہے؟'' ساتھ ہی دوسرے نے کہا:

''تمہارے علاوہ خدا کو رسول بنانے کے لیے اور کوئی نہیں ملا تھا؟'' اس کے ساتھ ہی تیسرا بول اُٹھا:

''خدا کی قسم! میں تم سے کوئی بات چیت نہیں کروں گا، کیونکہ اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو تمہارے ساتھ بات چیت کرنا بہت خطرناک ہے (یہ اس نے اس لیے کہا تھا کہ وہ لوگ جانتے تھے، کسی نبی کے ساتھ بحث کرنا بہت خطرناک ہے) اور اگر تم نبی نہیں ہو تو تم جیسے آدمی سے بات کرنا زیب نہیں دیتا۔''

آپ ان سے مایوس ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان تینوں نے اپنے یہاں کے اوباش لوگوں اور اپنے غلاموں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ راستے میں بھی دونوں طرف لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ جب آپ ان کے درمیان سے گزرے تو وہ بد بخت ترین لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسانے لگے۔ یہاں تک کہ آپ جو قدم بھی اٹھاتے، وہ اس پر پتھر مارتے۔ آپ کے دونوں پاؤں لہولہان ہو گئے۔ آپ کے جوتے خون سے بھر گئے۔ جب چاروں طرف سے پتھر مارے گئے تو تکلیف کی شدت سے آپ بیٹھ گئے... ان بد بخت اوباشوں نے آپ کی بغلوں میں بازو ڈال کر آپ کو کھڑے ہونے

پر مجبور کر دیا... جونہی آپ نے چلنے کے لیے قدم اٹھائے، وہ پھر پتھر برسانے لگے۔

ساتھ میں وہ ہنس رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ وہ آپ کو پتھروں سے بچانے کے لیے خود کو ان کے سامنے کر رہے تھے، اس طرح وہ بھی لہولہان ہو گئے، لیکن اس حالت میں بھی انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر تھی، اپنی کوئی پروا نہیں تھی۔ ان کے اتنے زخم آئے کہ سر پھٹ گیا۔

آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بستی سے نکل کر ایک باغ میں داخل ہو گئے۔ اس طرح ان بد بخت ترین لوگوں سے چھٹکارا ملا۔ آپ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اس وقت تک زخموں سے بالکل چور چور ہو چکے تھے اور بدن لہولہان تھے۔ آپ ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ اس وقت آپ نے اپنے اللہ سے دعا کی:

''اے اللہ! میں اپنی کمزوری، لاچاری اور بے بسی کی تجھ سے فریاد کرتا ہوں۔ یا ارحم الرحمین! تو کمزوروں کا ساتھی ہے اور تو ہی میرا رب ہے اور میں تجھ ہی پر بھروسہ کرتا ہوں... اگر مجھ پر تیرا غضب اور غصہ نہیں ہے تو مجھے کسی کی پروا نہیں۔''

اسی وقت اچانک آپ نے دیکھا کہ وہاں باغ کے مالک عتبہ اور شیبہ بھی موجود ہیں۔ وہ بھی دیکھ چکے تھے کہ طائف کے بدمعاشوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ انہیں دیکھتے ہی آپ اٹھ کھڑے ہوئے، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ وہ دونوں اللہ کے دین کے دشمن ہیں۔ ادھر ان دونوں کو آپ کی حالت پر رحم آ گیا۔ انہوں نے فوراً اپنے نصرانی غلام کو پکارا۔ اس کا نام عداس تھا۔ عداس حاضر ہوا تو انہوں نے اسے حکم دیا:

''اس بیل سے انگور کا خوشہ توڑو اور ان کے سامنے رکھ دو۔''

عداس نے حکم کی تعمیل کی۔ انگور آپ کو پیش کیے۔ آپ نے جب انگور کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو فرمایا:

''بسم اللہ!''

عداس نے آپ کے منہ سے بسم اللہ سنا تو اس نے اپنے آپ سے کہا: ’’ان علاقوں کے لوگ تو ایسا نہیں کہتے۔‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

’’تم کس علاقے کے رہنے والے ہو، تمہارا دین کیا ہے؟‘‘

عداس نے بتایا کہ وہ نصرانی ہے اور نینویٰ کا رہنے والا ہے۔ اس کے منہ سے نینویٰ کا نام سن کر آپ نے فرمایا:

’’تم تو یونس (علیہ السلام) کے ہم وطن ہو جو متی کے بیٹے تھے۔‘‘

عداس بہت حیران ہوا، بولا:

’’آپ کو یونس بن متی کے بارے میں کیسے معلوم ہوا، خدا کی قسم جب میں نینویٰ سے نکلا تھا تو وہاں دس آدمی بھی ایسے نہیں تھے جو یہ جانتے ہوں کہ یونس بن متی کون تھے۔ اس لیے آپ کو یونس بن متی کے بارے میں کیسے معلوم ہو گیا؟‘‘

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’وہ میرے بھائی تھے، اللہ کے نبی تھے اور میں بھی اللہ کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ ہی نے مجھے ان کے بارے میں بتایا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان کی قوم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔‘‘

آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سنتے ہی عداس فوراً آپ کے نزدیک آ گیا اور آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسے دینے لگا۔

باغ کے مالک عتبہ اور شیبہ دور کھڑے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے عداس کو آپ کے قدم چومتے دیکھا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا:

’’تمہارے اس غلام کو تو اس شخص نے گمراہ کر دیا۔‘‘

پھر عداس ان کی طرف آیا تو ایک نے اس سے کہا:

’’تیرا ناس ہو، تجھے کیا ہو گیا تھا کہ تو اس کے ہاتھ اور پیر چومنے لگا تھا۔‘‘

اس پر عداس بولا:

''میرے آقا! اس شخص سے بہتر انسان روئے زمین پر نہیں ہو سکتا، اس نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جو کوئی نبی ہی بتا سکتا ہے۔''

یہ سن کر عتبہ نے فوراً کہا:

''تیرا بُرا ہو، اپنے دین سے ہرگز مت پھرنا۔''

ان عداس کے بارے میں آتا ہے کہ یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ عتبہ اور شیبہ کے باغ سے نکل کر آپ قرنِ ثعالب کے مقام پر پہنچے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے سر اٹھایا تو ایک بدلی آپ پر سایہ کیے نظر آئی۔ اس بدلی میں آپ کو جبرئیل علیہ السلام نظر آئے، انہوں نے آپ سے کہا:

''آپ نے اپنی قوم یعنی بنی ثقیف کو جو کہا اور انہوں نے جو جواب دیا، اس کو اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے اور مجھے پہاڑوں کے نگران فرشتے کے ساتھ بھیجا ہے، اس لیے بنی ثقیف کے بارے میں جو چاہیں، اس فرشتے کو حکم دیں۔''

اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا اور عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! اگر آپ چاہیں تو میں ان پہاڑوں کے درمیان اس قوم کو کچل دوں یا انہیں زمین میں دھنسا کر ان کے اوپر پہاڑ گرا دوں۔''

☆☆☆

جنّات سے ملاقات

پہاڑوں کے فرشتے کی بات کے جواب میں رحمت دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''نہیں! مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں ضرور ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔''

اس پر پہاڑوں کے فرشتے نے جواب دیا:

''اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ آپ کو نام دیا ہے، آپ حقیقت میں رؤف و رحیم ہیں یعنی بہت معاف کرنے والے اور بہت رحم کھانے والے ہیں۔''

طائف کے اسی سفر سے واپسی پر نو جنوں کا آپ کے پاس سے گزر ہوا۔ وہ نصیبین کے رہنے والے تھے۔ یہ شام کے ایک شہر کا نام ہے۔ آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ جنات نے آپ کی قرأت کی آواز سنی تو اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ پہلے وہ یہودی تھے۔

طائف سے واپسی پر آپ مکہ میں داخل ہوئے تو حرم میں آئے اور بیت اللہ کا طواف فرمایا۔ اس کے بعد اپنے گھر تشریف لے گئے۔

ادھر نو جن جب اپنی قوم میں پہنچے تو انہوں نے باقی جنوں کو آپ کے بارے میں بتایا، چنانچہ وہ سب کے سب مکہ پہنچے۔ انہوں نے حجون کے مقام پر قیام کیا اور ایک جن کو آپ

کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے آپ سے عرض کیا:

''میری قوم حجون کے مقام پر ٹھہری ہوئی ہے۔ آپ وہاں تشریف لے چلیے۔''

آپ نے اس سے وعدہ فرمایا کہ آپ رات میں کسی وقت حجون آئیں گے۔ حجون مکہ کے ایک قبرستان کا نام تھا۔ رات کے وقت آپ وہاں پہنچے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ حجون پہنچ کر آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گرد ایک خط کھینچ دیا اور فرمایا:

''اس سے باہر مت نکلنا، اگر تم نے دائرے سے باہر قدم رکھ دیا تو قیامت کے دن تک تم مجھے دیکھ نہیں پاؤ گے، نہ میں تمہیں دیکھ سکوں گا۔''

ایک روایت کے مطابق آپ نے ان سے یوں فرمایا:

''میرے آنے تک اسی جگہ رہو۔ تمہیں کسی چیز سے ڈر نہیں لگے گا، نہ کسی چیز کو دیکھ کر ہول محسوس ہوگا۔''

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ فاصلے پر جا کر بیٹھ گئے۔ اچانک آپ کے پاس بالکل سیاہ فام لوگ آئے۔ یہ کافی تعداد میں تھے اور آپ پر ہجوم کر کے ٹوٹے پڑ رہے تھے، یعنی قرآن پاک سننے کی خواہش میں ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔

اس موقع پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ آگے بڑھ کر ان لوگوں کو آپ کے پاس سے ہٹا دیں، لیکن پھر انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد آ گیا اور وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ ادھر جنات نے آپ سے کہا:

''اے اللہ کے رسول! ہم جس جگہ کے رہنے والے ہیں، یعنی جہاں ہمیں جانا ہے، وہ جگہ دور ہے، اس لیے ہمارے اور ہماری سواریوں کے لیے سامانِ سفر کا انتظام فرما دیجیے۔''

جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

''ہر وہ ہڈی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو، جب تمہارے ہاتھوں میں پہنچے گی تو پہلے سے زیادہ پر گوشت ہو جائے گی اور یہ لید اور گوبر تمہارے جانوروں کا چارہ ہے۔''

اس طرح جنات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

☆☆☆

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ ایک اونچے درجے کے شاعر تھے۔ یہ ایک مرتبہ مکہ آئے۔ ان کی آمد کی خبر سنتے ہی قریشی ان کے گرد جمع ہو گئے۔ انہوں نے طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ سے کہا:

''آپ ہمارے درمیان ایسے وقت میں آئے ہیں جب کہ ہمارے درمیان اس شخص نے اپنا معاملہ بہت پیچیدہ بنا دیا ہے۔ اس نے ہمارا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ ہم میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ اس کی باتوں میں جادو جیسا اثر ہے، اس نے دو سگے بھائیوں میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ اب ہمیں آپ کی اور آپ کی قوم کی طرف سے بھی پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔ اس لیے آپ نہ تو اس سے کوئی بات کریں اور نہ اس کی کوئی بات سنیں۔''

انہوں نے ان پر اتنا دباؤ ڈالا کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے:

''نہ میں محمد کی کوئی بات سنوں گا اور نہ ان سے کوئی بات کروں گا۔''

دوسرے دن طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کعبہ کا طواف کرنے کے لیے گئے تو انہوں نے اپنے کانوں میں کپڑا ٹھونس لیا کہ کہیں ان کی کوئی بات ان کے کانوں میں نہ پڑ جائے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی کھڑے ہو گئے۔ اللہ کو یہ منظور تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا

کچھ کلام ان کے کانوں میں پڑ جائے، چنانچہ انہوں نے ایک نہایت پاکیزہ اور خوب صورت کلام سنا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگے: ''میں اچھے اور برے میں تمیز کرسکتا ہوں۔ اس لیے ان صاحب کی بات سن لینے میں حرج ہی کیا ہے۔ اگر یہ کوئی اچھی بات کہتے ہیں تو میں قبول کرلوں گا اور بری بات ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔''

کچھ دیر بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوکر اپنے گھر کی طرف چلے تو انہوں نے کہا:

''اے محمد! آپ کی قوم نے مجھ سے ایسا ایسا کہا ہے، اسی لیے میں نے آپ کی باتوں سے بچنے کے لیے کانوں میں کپڑا ٹھونس لیا تھا، مگر آپ اپنی بات میرے سامنے پیش کریں۔''

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا اور ان کے سامنے قرآنِ کریم کی تلاوت فرمائی، قرآن سن کر حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ بول اُٹھے:

''اللہ کی قسم! میں نے اس سے اچھا کلام کبھی نہیں سنا۔''

اس کے بعد انہوں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگئے۔ پھر انہوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے نبی! میں اپنی قوم میں اونچی حیثیت والا آدمی ہوں، وہ سب میری بات سنتے ہیں... مانتے ہیں، میں واپس جاکر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دوں گا۔ اس لیے آپ میرے لیے دعا فرمائیں۔''

اس پر آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

پھر وہ وہاں سے روانہ ہوگئے۔ اپنی بستی کے قریب پہنچے تو وہاں انہیں پانی کے پاس قافلے کھڑے نظر آئے۔ عین اس وقت ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند ایک نور پیدا ہوگیا اور ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے ہوا تھا۔ رات بھی اندھیری تھی۔ اس وقت انہوں نے دعا کی:

''اے اللہ! اس نور کو میرے چہرے کے علاوہ کسی اور چیز میں پیدا فرمادے۔ مجھے ڈر

ہے، میری قوم کے لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ دین بدلنے کی وجہ سے اس کی شکل بگڑ گئی۔''

چنانچہ اسی وقت وہ نور ان کے چہرے سے ان کے کوڑے میں آ گیا۔ اب ان کا کوڑا کسی قندیل کی طرح روشن ہو گیا۔

اسی بنیاد پر حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کو ذی النور کہا جانے لگا... یعنی نور والے۔ وہ گھر پہنچے تو ان کے والد ان کے پاس آئے۔ انہوں نے ان سے کہا:

''آپ میرے پاس نہ آئیں، اب میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ آپ کا مجھ سے کوئی تعلق رہ گیا ہے۔''

یہ سن کر ان کے والد نے پوچھا:

''کیوں بیٹے! یہ کیا بات ہوئی؟''

انہوں نے جواب دیا:

''میں مسلمان ہو گیا ہوں، میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر لیا ہے۔''

یہ سنتے ہی ان کے والد بول اُٹھے:

''بیٹے! جو تمہارا دین ہے، وہی میرا دین ہے۔''

تب طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے انہیں غسل کرنے اور پاک کپڑے پہننے کے لیے کہا۔ جب وہ ایسا کر چکے تو ان پر اسلام پیش کیا۔ وہ اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ پھر ان کی بیوی ان کے پاس آئیں۔ انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

اب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں پر اسلام پیش کیا... وہ لوگ بگڑ گئے۔

☆☆☆

مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک

ان کا یہ حال دیکھ کر حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! قومِ دوس مجھ پر غالب آ گئی، اس لیے آپ ان کے لیے دعا فرمائیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''اے اللہ! قومِ دوس کو ہدایت عطا فرما، انہیں دین کی طرف لے آ۔''

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ پھر اپنے لوگوں میں گئے۔ انہوں نے پھر دین اسلام کی تبلیغ شروع کی... وہ مسلسل انہیں تبلیغ کرتے رہے، یہاں تک کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ آخر وہ لوگ ایمان لے آئے۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ انہیں ساتھ لے کر مدینہ آئے، اس وقت تک غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق ہو چکے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے مقام پر موجود تھے۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی کے ساتھ ستر، اسی گھرانوں کے لوگ تھے، ان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ چونکہ یہ لوگ وہاں غزوہ خیبر کے وقت پہنچے تھے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کے ساتھ ان کا بھی حصہ نکالا۔ اگرچہ وہ

جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

طائف کے سفر کے بعد معراج کا واقعہ پیش آیا جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام اور نبوت کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر رات کے وقت آرام فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام کو آپ کے پاس بھیجا وہ آپ کو مسجد الحرام لے گئے پھر وہاں سے براق پر سوار کر کے مسجدِ اقصیٰ لے گئے جہاں تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ کو ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی گئی اور آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ اس سفر کی کچھ اہم تفصیلات یہ ہیں:

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم بیت المقدس پہنچنے سے پہلے حضرت جبرئیل کے ساتھ چلے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک سرسبز علاقے سے گزر ہوا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا:

''یہاں اتر کر دو رکعت نماز پڑھ لیجیے۔''

آپ نے براق سے اتر کر دو رکعتیں ادا کیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا، آپ کو معلوم ہے، یہ کون سا مقام ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ تب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

''یہ آپ نے طیبہ یعنی مدینہ منورہ میں نماز پڑھی ہے اور یہی آپ کی ہجرت گاہ ہے۔ (یعنی مکہ سے ہجرت کر کے آپ کو یہیں آنا ہے)۔

اس کے بعد براق پھر روانہ ہوا۔ اس کا ہر قدم جہاں تک نظر جاتی تھی، وہاں پڑتا تھا۔ ایک اور مقام پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا،''آپ یہاں اتر کر نماز پڑھیے۔'' آپ نے وہاں بھی دو رکعت ادا کی۔ انہوں نے بتایا:''آپ نے مدین میں نماز پڑھی ہے۔''

اس بستی کا نام مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کے نام پر رکھا گیا تھا۔

انہوں نے اسی مقام پر قیام کیا تھا۔ اس کے بعد وہاں آبادی ہوگئی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام اسی بستی میں مبعوث ہوئے تھے۔

اس کے بعد آپ پھر براق پر سوار ہوئے۔ ایک مقام پر پھر حضرت جبرئیل نے آپ سے کہا: ''اب یہاں اتر کر نماز پڑھیے۔'' آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا: ''یہ بیت اللحم ہے۔''

بیت اللحم بیت المقدس کے پاس ایک بستی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔

اسی سفر میں آپ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کا حال دیکھا۔ یعنی آپ کو آخرت کی مثالی شکل کے ذریعے مجاہدین کے حالات دکھائے گئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا:

''یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے لوگ ہیں، اللہ نے ان کی ہر نیکی کا ثواب سات سو گنا کر دیا ہے۔''

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دنیا لائی گئی، دنیا ایک حسین اور جمیل عورت کی صورت میں دکھائی گئی۔ اس عورت نے آپ سے کہا:

''اے محمد! میری طرف دیکھیے، میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا:

''یہ کون ہے؟''

انہوں نے بتایا:

''یہ دنیا ہے، اگر آپ اس طرف توجہ دیتے تو آپ کی امت آخرت کے مقابلے میں دنیا کو اختیار کر لیتی۔''

اس کے بعد آپ نے راستے میں ایک بڑھیا کو دیکھا، آپ نے پوچھا:

''یہ کون ہے؟''

جبرئیل علیہ السلام نے بتایا:

''یہ دنیا ہی ہے، دنیا کی عمر کا اتنا حصہ ہی باقی رہ گیا ہے جتنا کہ اس بڑھیا کا ہوسکتا ہے۔''

اس کے بعد امانت میں خیانت کرنے والے، فرض نمازوں کو چھوڑنے والے، زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے، بدکاری کرنے والے، رہزنی کرنے والے، (ڈاکا ڈالنے والے) دکھائے گئے۔ ان کے بھیانک انجام آپ کو دکھائے گئے۔

امانت میں خیانت کرنے والے اپنے بوجھ میں اضافہ کیے جارہے تھے اور وہ بوجھ کو اٹھانے کے قابل نہیں تھے۔ فرض نمازوں کو چھوڑنے والوں کے سروں کو کچلا جارہا تھا۔ ان کے سر ریزہ ریزہ ہورہے تھے اور پھر اصل حالت میں آجاتے تھے۔ کچلنے کا عمل پھر شروع ہوجاتا تھا۔ غرض انہیں ذرّہ بھر مہلت نہیں دی جارہی تھی۔

اپنے مال پر زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کا انجام آپ نے دیکھا کہ ان کے ستر پر آگے اور پیچھے پھٹے ہوئے چیتھڑے لٹکے ہوئے تھے، وہ اونٹوں اور بکریوں کی طرح چر رہے تھے... اور زقوم درخت کے کڑوے پتے اور کانٹے کھارہے تھے۔ زقوم درخت کے بارے میں آتا ہے کہ اس قدر کڑوا اور زہریلا ہے کہ اس کی کڑواہٹ کا مقابلہ دنیا کا کوئی درخت نہیں کرسکتا، اس کا ایک ذرہ اگر دنیا کے میٹھے دریاؤں میں ڈال دیا جائے تو تمام دریا کڑوے ہوجائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں مذاق اڑانے والوں کو بھی یہ دخت کھلایا جائے گا۔ اس درخت کے پتوں اور کانٹوں کے علاوہ وہ لوگ جہنم کے پتھر چباتے نظر آئے۔

بدکاروں کا انجام آپ نے یہ دیکھا کہ ان کے سامنے دسترخوان لگے ہوئے تھے۔ ان دسترخوانوں میں سے کچھ میں نہایت بہترین بھنا ہوا گوشت تھا، کچھ میں بالکل سڑا ہوا گوشت تھا۔ وہ اس بہترین گوشت کو چھوڑ کر سڑا ہوا، بدبودار گوشت کھارہے تھے اور بہترین گوشت نہیں کھارہے تھے۔

ان کے بارے میں جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو بتایا:

''یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جن کے پاس پاک اور حلال عورتیں تھیں لیکن وہ ان کو چھوڑ کر بدکار عورتوں کے پاس جاتے تھے، یا یہ وہ عورتیں تھیں جن کے خاوند تھے، لیکن وہ ان کو چھوڑ کر بدکار مردوں کے پاس جاتی تھیں۔

سود کھانے والوں کا انجام آپ کو یہ دکھایا گیا کہ وہ خون کے دریا میں تیر رہے تھے اور پتھر نگل رہے تھے۔

آپ کو ایسے عالموں کا انجام دکھایا گیا، جو لوگوں کو وعظ کیا کرتے تھے اور خود بے عمل تھے۔ ان کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ اور جیسے ہی کٹ جاتے تھے، فوراً پیدا ہو جاتے تھے اور پھر اسی طرح کاٹے جانے کا عمل شروع ہو جاتا تھا۔ یعنی انہیں ایک لمحے کی بھی مہلت نہیں مل رہی تھی۔

چغل خوروں کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے تھے۔

مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی نماز میں امامت فرمانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی گئی، جلیل القدر انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرائی گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کا حال دکھایا گیا۔ آپ کا گزر جنت کی ایک وادی سے ہوا۔ اس سے نہایت بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی اور مشک سے زیادہ خوشبودار ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی اور ایک بہترین آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ آواز کہہ رہی تھی:

''میرے عشرت کدے میں ریشم، موتی، سونا، چاندی، مونگے، شہد، دودھ اور شراب کے جام و کٹورے بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔''

اس پر اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

''ہر وہ مومن مرد اور عورت تجھ میں داخل ہو گا جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان رکھتا ہو، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو گا... نہ مجھ سے بڑھ کر یا میرے برابر کسی کو مانتا ہو گا اور نیک عمل کرتا ہو گا۔ سن لے، جس کے دل میں میرا ڈر رہے، اس کا دل میرے خوف کی وجہ

سے محفوظ رہتا ہے، جو مجھ سے مانگتا ہے، میں اسے محروم نہیں رکھوں گا، جو مجھے قرض دیتا ہے یعنی نیک عمل کرتا ہے اور میری راہ میں خرچ کرتا ہے میں اسے بدلہ دوں گا، جو مجھ پر توکل اور بھروسا کرتا ہے اس کی جمع پونجی کو اس کی ضرورت کے لیے پورا کرتا رہوں گا، میں ہی سچا معبود ہوں، میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میرا وعدہ سچا ہے، غلط نہیں ہوتا، مومن کی نجات یقینی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی برکت دینے والا ہے اور سب سے بہترین خالق یعنی پیدا کرنے والا ہے۔"

یہ سن کر میں نے کہا:

"بس اے میرے پروردگار میں خوش اور مطمئن ہوں۔"

☆☆☆

اللہ سے ہم کلامی

دوزخ کا حال آپ کو یہ دکھایا گیا کہ آپ ایک وادی میں پہنچے۔ وہاں آپ نے ایک بہت بدنما آواز سنی۔ آپ نے بدبو بھی محسوس کی۔ آپ نے پوچھا:

''جبرئیل! یہ کیا ہے؟''

انہوں نے بتایا:

یہ جہنم کی آواز ہے، یہ کہہ رہی ہے ''اے میرے پروردگار! مجھے وہ غذا دے جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ میری زنجیریں اور بیڑیاں، میری آگ، میرے شعلے، گرمی، گرم ہوا، پیپ اور عذاب کے دوسرے ہیبت ناک سامان بہت بڑھ گئے ہیں، میری گہرائی اور اس گہرائی میں آگ کی تپش یعنی میرا پیٹ اور اس کی بھوک بہت زیادہ ہے، اس لیے مجھے میری وہ خوراک دے جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے''۔

جہنم کی اس پکار کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ہر کافر، مشرک، بدطینت، بدمعاش اور خبیث مرد اور عورت تیری خوراک ہیں''

یہ سن کر جہنم نے جواب دیا:

''بس! میں خوش ہوگئی۔''

اسی سفر میں آپ کو دجّال کی صورت دکھائی گئی۔ اس کی شکل عبدالعزیٰ ابن قطن جیسی تھی۔

یہ عبدالعزیٰ جاہلیت کے زمانے میں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ظہور سے پہلے ہی مر گیا تھا۔

آپ کو وہاں کچھ لوگ دکھائے گئے۔ ان کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں جیسے تھے اور ان کے ہاتھوں میں پتھروں کی طرح کے بڑے بڑے انگارے تھے یعنی اتنے بڑے بڑے تھے کہ ایک ایک انگارے میں ان کا ہاتھ بھر گیا تھا۔ وہ لوگ انگاروں کو اپنے منہ میں ڈالتے تھے۔ آپ نے یہ منظر دیکھ کر جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا:

''جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟'' جواب میں انہوں نے بتایا:

''یہ وہ لوگ ہیں جو زبردستی اور ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے تھے۔''

اس کے بعد آپ نے کچھ لوگ دیکھے، ان کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے جیسے گھر میں کوٹھڑیاں ہوں، ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے۔ وہ باہر سے نظر آ رہے تھے۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: ''یہ کون لوگ ہیں۔'' انہوں نے بتایا کہ یہ سود خور ہیں۔

پھر آپ نے ایسے لوگ دیکھے، جن کے سامنے ایک طرف بہترین قسم کا گوشت رکھا تھا۔ دوسری طرف سڑا ہوا بدبودار گوشت تھا۔ وہ اچھا گوشت چھوڑ کر بدبودار گوشت کھا رہے تھے۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا:

''یہ کون لوگ ہیں۔''

انہوں نے بتایا:

''یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پاک دامن عورتیں یعنی بیویاں دی تھیں مگر یہ انہیں چھوڑ کر دوسری عورتوں کے پاس جاتے تھے۔ یا وہ ایسی عورتیں ہیں جو اپنے خاوند کو چھوڑ کر دوسرے مردوں کے پاس جاتی تھیں۔''

آپ نے وہاں ایسے لوگ دیکھے جو اپنے ہی جسم سے پہلوؤں کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ ان سے کہا جا رہا تھا:

''یہ بھی اسی طرح کھاؤ جس طرح تم اپنے بھائی کا گوشت کھایا کرتے تھے۔''

آپ نے دریافت فرمایا:

''یہ کون لوگ ہیں۔''

جبرئیل علیہ السلام نے بتایا:

''یہ وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے پر آوازے کسا کرتے تھے۔''

جہنم دکھانے کے بعد آپ کو جنت دکھائی گئی۔ آپ نے وہاں موتیوں کے بنے ہوئے گنبد دیکھے۔ وہاں کی مٹی مشک کی تھی۔ آپ نے جنت میں انار دیکھے، وہ بڑے بڑے ڈولوں جتنے تھے اور جنت کے پرندے اونٹوں جتنے بڑے تھے۔ ساتوں آسمانوں کی سیر کے بعد آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا، یہ بیری کا ایک درخت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں ایک چشمہ دیکھا۔ اس سے دو نہریں پھوٹ رہی تھیں۔ ایک کا نام کوثر ہے اور دوسری کا نام رحمت۔ آپ فرماتے ہیں، میں نے اس چشمے میں غسل کیا۔

ایک روایت کے مطابق سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے جنت کی چار نہریں نکل رہی ہیں۔ ان میں سے ایک نہر پانی کی، دوسری دودھ کی، تیسری شہد کی اور چوتھی نہر شراب کی ہے۔

اسی وقت سدرۃ المنتہیٰ کے پاس آپ نے جبرئیل کو ان کی اصل شکل میں دیکھا یعنی جس شکل میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بنایا تھا۔ ان کے چھ سو پر ہیں اور ہر پر اتنا بڑا ہے کہ اس سے آسمان کا کنارہ چھپ جائے۔ ان پروں سے رنگا رنگ موتی اور یاقوت اتنی تعداد میں گر رہے تھے کہ ان کا شمار اللہ ہی کو معلوم ہے۔

پھر ایک بدلی نے آپ کو آ کر گھیر لیا۔ آپ کو اس بدلی کے ذریعے اوپر اٹھا لیا گیا۔ جبرئیل وہیں رہ گئے۔ (بدلی کی جگہ بعض روایات میں ایک سیڑھی کے ذریعے اٹھانے کا ذکر بھی آیا ہے)۔ یہاں آپ نے صریر اقلام (یعنی لوحِ محفوظ پر لکھنے والے قلموں کی سرسراہٹ) کی آوازیں سنیں۔ یہ تقدیر کے قلم تھے اور فرشتے ان سے مخلوق کی تقدیریں لکھ رہے تھے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نہیں گئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سدرہ المنتہیٰ ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ عرشِ اعظم کے دائیں طرف ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ساتویں آسمان کے اوپر گئے۔ وہاں ایک نہر پر پہنچے۔ اس پر یاقوتوں، موتیوں اور زبرجد کے خیمے لگے تھے۔ اس نہر میں ایک سبز رنگ کا پرندہ تھا۔ وہ اس قدر حسین تھا کہ اس جیسا پرندہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا:

''یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔''

آپ فرماتے ہیں، میں نے دیکھا، اس میں یاقوت اور زمرد کے تھالوں میں رکھے ہوئے سونے اور چاندی کے جام تیر رہے تھے۔ اس نہر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا، میں نے ایک جام اٹھایا۔ اس کو نہر سے بھر کر پیا تو وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبو دار تھا۔

آپ فرماتے ہیں، جبرئیل علیہ السلام مجھے لیے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ اس کے پاس حجابِ اکبر ہے۔ حجابِ اکبر کے پاس پہنچ کر انہوں نے کہا:

''میری پہنچ کا مقام یہاں ختم ہو گیا، اب آپ آگے تشریف لے جائیں۔''

آپ فرماتے ہیں، میں آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ میں سونے کے ایک تخت تک پہنچ گیا۔ اس پر جنت کا ریشمی قالین بچھا تھا۔ اسی وقت میں نے جبرئیل علیہ السلام کی آواز سنی... وہ کہہ رہے تھے:

''اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کی تعریف فرما رہا ہے۔ آپ سنیے اور اطاعت کیجیے۔ آپ کلامِ الٰہی سے دہشت زدہ نہ ہوں۔''

چنانچہ اس وقت میں نے حق تعالیٰ کی تعریف بیان کی۔ اس کے بعد مجھے اللہ کا دیدار ہوا۔ میں فوراً سجدے میں گر گیا۔ پھر اللہ نے مجھ پر وحی اتاری، وہ یہ تھی:

''اے محمد! جب تک آپ جنت میں داخل نہیں ہو جائیں گے، اس وقت تک تمام

نبیوں کے لیے جنت حرام رہے گی۔ اسی طرح جب تک آپ کی امت جنت میں داخل نہیں ہوگی، تمام امتوں کے لیے جنت حرام رہے گی۔''

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے محمد! ہم نے کوثر آپ کو عطا فرمادی ہے۔ اس طرح آپ کو یہ خصوصیت حاصل ہوگئی ہے کہ تمام جنتی آپ کے مہمان ہوں گے۔''

اس کے بعد پچاس نمازیں فرض ہوئیں... پچاس نمازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے کم کرائی گئیں، یہاں تک کہ ان کی تعداد پانچ کر دی گئی تاہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے محمد! ہر روز یہ پانچ نمازیں ہیں، ان میں سے ہر ایک کا ثواب دس کے برابر ہوگا اور اس طرح ان پانچ نمازوں کا ثواب پچاس نمازوں کے برابر ہی ملے گا۔ آپ کی امت میں سے جو شخص بھی نیکی کا ارادہ کرے اور پھر نہ کر سکے، تو میں اس کے حق میں صرف ارادہ کرنے پر ایک نیکی لکھوں گا اور اگر اس نے وہ نیک عمل کر بھی لیا تو اسے دس نیکیوں کے برابر لکھوں گا اور جو شخص کسی بدی کا ارادہ کرے اور پھر اس کو نہ کرے تو بھی اس کے لیے ایک نیکی لکھ دوں گا اور اگر اس نے وہ بدی کر لی تو اس کے نتیجے میں ایک ہی بدی لکھوں گا۔''

آپ فرماتے ہیں، میں نے جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا:

''صدقے کا صلہ دس گنا ہے اور قرض کا صلہ اٹھارہ گنا ہے۔''

میں نے جبرئیل سے پوچھا:

''یہ کیا بات ہے کہ قرض دینا، صدقے سے افضل ہے؟''

جواب میں انہوں نے کہا:

''اس کی وجہ یہ ہے کہ سائل جسے صدقہ دیا جاتا ہے، وہ مانگتا ہے تو اس وقت اس کے پاس کچھ نہ کچھ ہوتا ہے، جب کہ قرض مانگنے والا اسی وقت قرض مانگتا ہے جب اس کے پاس کچھ نہ ہو۔

☆☆☆

نماز کی ابتداء

حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے معراج کے دوران جہنم کے داروغہ مالک کو دیکھا۔ وہ انتہائی سخت طبیعت کا فرشتہ ہے۔ اس کے چہرے پر غصہ اور غضب رہتا ہے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے سلام کیا۔ داروغہ نے سلام کا جواب دیا۔ خوش آمدید بھی کہا، لیکن مسکرایا نہیں۔ اس پر حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا:

''یہ کیا بات ہے کہ میں آسمان والوں میں سے جس سے بھی ملا، اس نے مسکرا کر میرا استقبال کیا، مگر داروغہ جہنم نے مسکرا کر بات نہیں کی۔''

اس پر جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

''یہ جہنم کا داروغہ ہے، جب سے پیدا ہوا ہے، آج تک کبھی نہیں ہنسا، اگر یہ ہنس سکتا تو صرف آپ ہی کے لیے ہنستا۔''

یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو معراج جاگنے کی حالت میں جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوئی... بعض لوگ معراج کو صرف ایک خواب کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں، صرف روح گئی تھی جسم ساتھ نہیں گیا تھا... اگر یہ دونوں باتیں ہوتیں تو پھر معراج کے واقعے کی بھلا کیا خصوصیت تھی۔ خواب میں تو عام آدمی بھی بہت کچھ دیکھ لیتا ہے... معراج کی اصل خصوصیت ہی یہ ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم جسم سمیت آسمانوں پر

تشریف لے گئے... لہٰذا گمراہ لوگوں کے بہکاوے میں مت آئیں۔اور پھر یہ بات بھی ہے کہ اگر یہ صرف خواب ہوتا، یا معراج صرف روح کو ہوتی تو مشرکین مکہ مذاق نہ اڑاتے۔ جب کہ انہوں نے ماننے سے انکار کیا اور مذاق بھی اڑایا۔خواب میں دیکھے کسی واقعے پر بھلا کوئی کیوں مذاق اڑاتا۔

معراج کے بارے میں اس مسئلے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا نہیں... اس بارے میں دونوں طرح کی احادیث موجود ہیں۔ ...اس معاملے میں بہتر یہ ہے کہ ہم خاموشی اختیار کریں، کیونکہ یہ ہمارے اعتقاد کا مسئلہ نہیں ہے، نہ ہم سے قیامت کے دن یہ سوال پوچھا جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کے بعد آسمانوں سے واپس زمین پر تشریف لے آئے۔ جب اپنے بستر پر پہنچے تو وہ اسی طرح گرم تھا جس طرح چھوڑ کر گئے تھے۔ یعنی معراج کا یہ عجیب واقعہ اور اتنا طویل سفر صرف ایک لمحے میں پورا ہوگیا، یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دوران کائنات کے وقت کی رفتار کو روک دیا جس کے باعث یہ معجزہ نہایت تھوڑے وقت میں مکمل ہوگیا۔

معراج کی رات کے بعد جب صبح ہوئی اور سورج ڈھل گیا تو جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے۔ انہوں نے امامت کر کے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نماز پڑھائی تاکہ آپ کو نمازوں کے اوقات اور نمازوں کی کیفیت معلوم ہو جائے۔ معراج سے پہلے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم صبح شام دو دو رکعت نماز ادا کرتے تھے اور رات میں قیام کرتے تھے، لہٰذا آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پانچ فرض نمازوں کی کیفیت اس وقت تک معلوم نہیں تھی۔

جبرئیل علیہ السلام کی آمد پر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اعلان فرمایا کہ سب لوگ جمع ہو جائیں... چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کی امامت میں نماز ادا کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی امامت میں نماز ادا کی۔

یہ ظہر کی نماز تھی... اسی روز اس کا نام ظہر رکھا گیا۔ اس لیے کہ یہ پہلی نماز تھی جس کی

کیفیت ظاہر کی گئی تھی۔ چوں کہ دوپہر کو عربی میں ظہیرہ کہتے ہیں اس لیے یہ بھی ہوسکتا ہے یہ نام اس بنیاد پر رکھا گیا ہو، کیونکہ یہ نماز دوپہر کو پڑھی جاتی ہے۔ اس نماز میں آپ نے چار رکعت پڑھائیں اور قرآن کریم آواز سے نہیں پڑھا۔

اسی طرح عصر کا وقت ہوا تو عصر کی نماز ادا کی گئی۔ سورج غروب ہوا تو مغرب کی نماز پڑھی گئی۔ یہ تین رکعت کی نماز تھی، اس میں پہلی دو رکعتوں میں آواز سے قرأت کی گئی۔ آخری رکعت میں قرأت بلند آواز سے نہیں کی گئی۔ اس نماز میں بھی ظہر اور عصر کی طرح جبرئیل علیہ السلام آگے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی امامت میں نماز ادا کر رہے تھے اور صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں۔ اس کا مطلب ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مقتدی بھی تھے اور امام بھی۔

رہا یہ سوال کہ یہ نمازیں کہاں پڑھی گئیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں پڑھی گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا، کیونکہ اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ معظمہ میں رہے، اسی کی سمت منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔

جبرئیل علیہ السلام نے پہلے دن نمازوں کے اول وقت میں یہ نمازیں پڑھائیں اور دوسرے دن آخری وقت میں تاکہ معلوم ہو جائے، نمازوں کے اوقات کہاں سے کہاں تک ہیں۔

اس طرح یہ پانچ نمازیں فرض ہوئیں اور ان کے پڑھنے کا طریقہ بھی آسمان سے نازل ہوا۔ آج کچھ لوگ کہتے نظر آتے ہیں... نماز کا کوئی طریقہ قرآن سے ثابت نہیں، لہٰذا نماز کسی بھی طریقے سے پڑھی جاسکتی ہے... ہم تو بس قرآن کو مانتے ہیں... ایسے لوگ صریح گمراہی میں مبتلا ہیں... نماز کا طریقہ بھی آسمان سے ہی نازل ہوا اور ہمیں نمازیں اسی طرح پڑھنا ہوں گی جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پڑھتے رہے۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ فرض نمازیں پانچ ہیں، حدیث کے منکر پانچ نمازوں کا انکار کرتے ہیں وہ صرف تین فرض نمازوں کے قائل ہیں۔ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے وہ

کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں صرف تین نمازوں کا ذکر آیا ہے۔ حالانکہ اول تو ان کی یہ بات ہے ہی جھوٹ دوسرے یہ کہ جب احادیث سے پانچ نمازیں ثابت ہیں تو کسی مسلمان کے لیے ان سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

پانچ نمازوں کی حکمت کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے پانچ حواس یعنی پانچ حسیں رکھیں ہیں۔ انسان گناہ بھی انہی حسوں کے ذریعے سے کرتا ہے۔ (یعنی آنکھ، کان، ناک، منہ، اعضاء و جوارح یعنی ہاتھ پاؤں) لہٰذا نمازیں بھی پانچ مقرر کی گئیں تاکہ ان پانچوں حواسوں کے ذریعے دن اور رات میں جو گناہ انسان سے ہو جائیں، وہ ان پانچوں نمازوں کے ذریعے دھل جائیں اس کے علاوہ بھی بے شمار حکمتیں ہیں۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ معراج کے واقعے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر جانا ثابت کرتا ہے کہ آسمان حقیقت میں موجود ہیں۔

موجودہ ترقی یافتہ سائنس کا یہ نظریہ ہے کہ آسمان کا کوئی وجود نہیں بلکہ یہ کائنات ایک عظیم خلا ہے۔ انسانی نگاہ جہاں تک جا کر رک جاتی ہے، وہاں اس خلا کی مختلف روشنیوں کے پیچھے ایک نیلگوں حد نظر آتی ہے۔ اسی نیلگوں حد کو انسان آسمان کہتا ہے۔

لیکن اسلامی تعلیم نے ہمیں بتایا ہے کہ آسمان موجود ہیں اور آسمان اسی ترتیب سے موجود ہیں، جو قرآن اور حدیث نے بتائی ہے۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں آسمان کا ذکر ہے، بعض آیات میں ساتوں آسمانوں کا ذکر ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ایک اٹل حقیقت ہیں نہ کہ نظر کا دھوکہ۔

الحمد للہ معراج کا بیان تکمیل کو پہنچا۔ اس کے بعد سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم بہ قدم میں ہم معراج کے بعد کے واقعات بیان کریں گے، ان شاء اللہ۔

☆☆☆

کامیابی کی ابتداء

حج کے دنوں میں مکہ میں دور دور سے لوگ حج کرنے آتے تھے، یہ حج اسلامی طریقے سے نہیں ہوتا تھا بلکہ اس میں کفریہ اور شرکیہ باتیں شامل کر لی گئی تھیں۔ ان دنوں یہاں میلے بھی لگتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی دعوت دینے کے لیے ان میلوں میں بھی جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچ کر لوگوں سے فرماتے تھے:

''کیا کوئی شخص اپنی قوم کی حمایت مجھے پیش کر سکتا ہے، کیونکہ قریش کے لوگ مجھے اپنے رب کا پیغام پہنچانے سے روک رہے ہیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کے میدان میں تشریف لے جاتے۔ لوگوں کے ٹھکانوں پر جاتے اور ان سے فرماتے:

''لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرتے ہوئے ابولہب بھی وہاں تک پہنچ جاتا اور ان لوگوں سے بلند آواز میں کہتا:

''لوگو! یہ شخص چاہتا ہے، تم اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دو۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذوالمجاز کے میلے میں تشریف لے جاتے اور لوگوں سے

فرماتے:

''لوگو! لا الہٰ الا اللہ کہہ کر بھلائی کو حاصل کرو۔''

ابولہب یہاں بھی آجاتا اور آپ کو پتھر مارتے ہوئے کہتا:

''لوگو! اس شخص کی بات ہرگز نہ سنو، یہ جھوٹا ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ کندہ اور قبیلہ کلب کے کچھ خاندانوں کے پاس گئے۔ ان لوگوں کو بنوعبداللہ کہا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''لوگو! لا الہٰ الا اللہ پڑھ لو... فلاح پا جاؤ گے۔''

انہوں نے بھی اسلام کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو حنیفہ اور بنو عامر کے لوگوں کے پاس بھی گئے۔ ان میں سے ایک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سن کر کہا:

''اگر ہم آپ کی بات مان لیں، آپ کی حمایت کریں اور آپ کی پیروی قبول کر لیں پھر اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے مخالفوں پر فتح عطا فرما دے تو کیا آپ کے بعد یہ سرداری اور حکومت ہمارے ہاتھوں میں آجائے گی۔''

یعنی انہوں نے یہ شرط رکھی کہ آپ کے بعد حکمرانی ان کی ہوگی۔ جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سرداری اور حکومت اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے، سونپ دیتا ہے۔''

اس کے بعد اس شخص نے کہا:

''تو کیا ہم آپ کی حمایت میں عربوں سے لڑیں، عربوں کے نیزوں سے اپنے سینے چھلنی کرا لیں، اپنی گردنیں کٹوا لیں اور پھر جب آپ کامیاب ہو جائیں تو سرداری اور حکومت دوسروں کو ملے۔ نہیں، ہمیں آپ کی ایسی حکومت اور سرداری کی کوئی ضرورت نہیں۔''

اس طرح ان لوگوں نے بھی صاف انکار کر دیا۔ بنو عامر کے یہ لوگ پھر اپنے وطن لوٹ

گئے۔ وہاں ان کا ایک بہت بوڑھا شخص تھا۔ بوڑھا ہونے کی وجہ سے وہ اس قدر کمزور ہو چکا تھا کہ ان کے ساتھ حج کے لیے نہیں جا سکا تھا۔ جب اس نے ان لوگوں سے حج اور میلے کے حالات پوچھے تو انہوں نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت کا بھی ذکر کیا اور اپنا جواب بھی اسے بتایا۔

بوڑھا شخص یہ سنتے ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور افسوس بھرے لہجے میں بولا:

''اے بنی عامر! تم سے بہت بڑی غلطی ہوئی... کیا تمہاری اس غلطی کا کوئی علاج ہوسکتا ہے، قسم ہے، اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اسماعیل علیہ السلام کی قوم میں سے جو شخص نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے، جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ وہ بالکل سچا ہے، یہ اور بات ہے کہ اس کی سچائی تمہاری عقل میں نہ آسکے۔''

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوعبس، بنوسلیم، بنوغستان، بنومحارب، بنو فزارہ، بنونضر، بنومرّہ اور بنوعذرہ سمیت کئی قبیلوں سے بھی ملے۔ ان سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بھی بُرے جوابات دیے، وہ کہتے:

''آپ کا گھرانہ اور آپ کا خاندان آپ کو زیادہ جانتا ہے، اسی لیے انہوں نے آپ کی پیروی نہیں کی۔''

عرب قبیلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ تکلیف یمامہ کے بنوحنیفہ سے پہنچی۔ مسیلمہ کذاب بھی اسی بد بخت قوم کا تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اسی طرح بنو ثقیف کے قبیلے نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت برا جواب دیا۔

ان تمام تر ناکامیوں کے بعد آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو پھیلانے، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام کرنے اور اپنا وعدہ پورا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم حج کے دنوں میں گھر سے نکلے۔ وہ رجب کا مہینا تھا۔ عرب حج سے پہلے مختلف رسموں اور میلوں میں شریک ہونے کے لیے مکّہ پہنچا کرتے تھے۔ چنانچہ اس سال بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبیلوں سے ملنے کے لیے نکلے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عقبہ کے مقام پر پہنچے۔

عقبہ ایک گھاٹی کا نام ہے۔ جس جگہ شیطانوں کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ یہ گھاٹی اسی مقام پر ہے۔ مکّہ سے منیٰ کی طرف جائیں تو یہ مقام بائیں ہاتھ پر آتا ہے۔ اب اس جگہ ایک مسجد ہے۔

وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات مدینہ کے قبیلے خزرج کی ایک جماعت سے ہوئی۔ اوس اور خزرج مدینہ منورہ کے دو مشہور قبیلے تھے۔ یہ اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ یہ بھی دوسرے عربوں کی طرح حج کیا کرتے تھے۔ یہ حضرات تعداد میں کل چھ تھے، ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد آٹھ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو ان کے قریب تشریف لے گئے۔ ان سے فرمایا:

''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

وہ بولے:

''ضرور کہیں۔''

فرمایا:

''بہتر ہوگا کہ ہم لوگ بیٹھ جائیں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس بیٹھ گئے۔ ان لوگوں نے جب آپ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا تو وہاں سچائی ہی سچائی اور بھلائی ہی بھلائی نظر آئی... ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں آپ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں... میں اللہ کا رسول ہوں۔''

یہ سنتے ہی انہوں نے کہا:

''اللہ کی قسم! آپ کے بارے میں ہمیں معلوم ہے۔ یہودی ایک نبی کی خبر ہمیں دیتے رہے ہیں اور ہمیں اس سے ڈراتے رہے ہیں (یعنی وہ کہتے رہے ہیں کہ ایک نبی ظاہر ہونے والے ہیں) آپ ضرور وہی ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے پہلے وہ آپ کی پیروی اختیار کر لیں۔''

اصل میں بات یہ تھی کہ جب بھی یہودیوں اور مدینہ کے لوگوں میں کوئی لڑائی جھگڑا ہوتا تو یہودی ان سے کہا کرتے تھے:

''بہت جلد ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے، ان کا زمانہ نزدیک آ چکا ہے۔ ہم اس نبی کی پیروی کریں گے اور ان کے جھنڈے تلے اس طرح تمہارا قتل عام کریں گے جیسے قوم عاد اور قوم ارم کا ہوا تھا۔''

ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم تمہیں نیست و نابود کر دیں گے۔ اسی بنیاد پر مدینہ کے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بارے میں معلوم تھا... اور اسی بنیاد پر انہوں نے فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور مسلمان ہو گئے۔

پے در پے ناکامیوں کے بعد یہ بہت زبردست کامیابی تھی... اور پھر یہ کامیابی تاریخی اعتبار سے بھی بہت بڑی ثابت ہوئی۔ اس بیعت نے تاریخ کے دھارے کو موڑ کر رکھ دیا، گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے ایک زبردست خیر کا ارادہ فرمایا تھا۔ اسلام قبول کرتے ہی انہوں نے عرض کیا:

''ہم اپنی قوم اوس اور خزرج کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ ان کے درمیان زبردست جنگ جاری ہے، اس لیے اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے ان سب کو ایک کر دے تو یہ بہت ہی اچھی بات ہوگی۔''

اوس اور خزرج دو سگے بھائیوں کی اولاد تھے۔ پھر ان میں دشمنی ہو گئی۔ لڑائیوں نے اس قدر طول کھینچا کہ ایک سو بیس سال تک وہ نسل در نسل لڑتے رہے، قتل پر قتل ہوئے...

اس وقت انہوں نے اسی دشمنی کی طرف اشارہ کیا تھا، لہٰذا انہوں نے کہا:

''ہم اوس اور اپنے قبیلے کے دوسرے لوگوں کو بھی اسلام کی دعوت دیں گے۔ ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے نام پر انہیں ایک کر دے۔ اگر آپ کی وجہ سے وہ ایک ہو گئے، ان کا کلمہ ایک ہو گیا تو پھر آپ سے زیادہ قابل عزت اور عزیز کون ہوگا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کو پسند فرمایا۔ پھر یہ حضرات حج کے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔

☆☆☆

ہجرت کا آغاز

اگلے سال قبیلہ خزرج کے دس اور قبیلہ اوس کے دو آدمی مکہ آئے۔ان میں سے پانچ وہ تھے جو پچھلے سال عقبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر گئے تھے۔ان لوگوں سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے سورۃ النساء کی آیات تلاوت فرمائیں۔

بیعت کے بعد جب یہ لوگ واپس مدینہ منورہ جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ نئے مسلمانوں کو دین سکھائیں، قرآن کی تعلیم دیں۔انہیں قاری کہا جاتا تھا۔یہ مسلمانوں میں سب سے پہلے آدمی ہیں جنہیں قاری کہا گیا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے وہاں کے مسلمانوں کو نماز پڑھانا شروع کی۔ سب سے پہلا جمعہ بھی انہوں نے ہی پڑھایا۔ جمعہ کی نماز اگرچہ مکہ معظمہ میں فرض ہو چکی تھی ، لیکن وہاں مشرکین کی وجہ سے مسلمان جمعہ کی نماز ادا نہ کر سکے۔سب سے پہلا جمعہ پڑھنے والوں کی تعداد چالیس تھی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں دین کی تبلیغ شروع کی تو

حضرت سعد بن معاذ اور ان کے چچا زاد بھائی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے کے بعد مدینہ میں اسلام اور زیادہ تیزی سے پھیلنے لگا۔

اس کے بعد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ حج کے دنوں میں واپس مکہ پہنچے۔ مدینہ منورہ میں اسلام کی کامیابیوں کی خبر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ خوش ہوئے۔ مدینہ منورہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے، ان میں سے جو لوگ حج کے لیے آئے تھے، فارغ ہونے کے بعد انہوں نے منیٰ میں رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ جگہ اور وقت پہلے ہی طے کر لیا گیا تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ مدینہ سے چونکہ مشرک لوگ بھی آئے تھے اور ان سے اس ملاقات کو پوشیدہ رکھنا تھا، اس لیے یہ ملاقات رات کے وقت ہوئی۔ یہ حضرات کل ملا کر 73 مرد اور دو عورتیں تھیں۔ ملاقات کی جگہ عقبہ کی گھاٹی تھی۔ وہاں ایک ایک، دو دو کر کے جمع ہو گئے۔ اس مجمع میں گیارہ آدمی قبیلہ اوس کے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ ان کے علاوہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم گویا اپنے چچا کے ساتھ آئے تھے تاکہ اس معاملے کو خود دیکھیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ساتھ آئے تھے۔ سب سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے تقریر کی۔ انہوں نے کہا:

”تم لوگ جو عہد و پیمان ان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرو، اس کو ہر حال میں پورا کرنا، اگر پورا نہ کر سکو تو بہتر ہے، کوئی عہد و پیمان نہ کرو۔“

اس پر ان حضرات نے وفاداری نبھانے کے وعدے کیے۔ تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا:

''تم ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ... اپنی ذات کی حد تک یہ کہتا ہوں کہ میری حمایت کرو اور میری حفاظت کرو۔''

اس موقع پر ایک انصاری بولے:

''اگر ہم ایسا کریں تو ہمیں کیا ملے گا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اس کے بدلے تمہیں جنت ملے گی۔''

اب وہ سب بول اُٹھے:

''یہ نفع کا سودا ہے، ہم اس کو ختم نہیں کریں گے۔''

اب ان سب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہم ہر حالت میں آپ کا ساتھ دیں گے، آپ کی حفاظت کریں گے۔''

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ یہ الفاظ کہہ رہے تھے کہ ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ بول اٹھے:

''چاہے ہم پیسے پیسے کو محتاج ہو جائیں اور چاہے ہمیں قتل کر دیا جائے، ہم ہر قیمت پر اللہ کے رسول کا ساتھ دیں گے۔''

اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے:

''ذرا آہستہ آواز میں بات کرو... کہیں مشرک ہماری آوازیں نہ سن لیں۔''

اس موقع پر حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہمارے اور یہودیوں کے درمیان کچھ معاہدے ہیں، اب ہم ان کو توڑ رہے ہیں، ایسا تو نہیں ہوگا کہ آپ ہمیں چھوڑ کر مکہ آ جائیں۔''

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا:

''نہیں! بلکہ میرا خون اور تمہارا خون ایک ہے، جس سے تم جنگ کرو گے، اس سے میں جنگ کروں گا، جسے تم پناہ دو گے، اسے میں پناہ دوں گا۔''

پھر آپ نے ان میں سے بارہ آدمی الگ کیے۔ یہ نو خزرج میں سے اور تین اوس میں

سے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''تم میرے جاں نثار ہو... میرے نقیب ہو۔''

ان بارہ حضرات میں یہ شامل تھے۔

سعد بن عبادہ، اسعد بن رواحہ، براء بن معرور، ابوالہیثم ابن التیہان، اسید بن حضیر، عبداللہ بن عمرو بن حزام، عبادہ بن صامت اور رافع بن مالک رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے ہرایک اپنے اپنے قبیلے کا نمایندہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جاں نثاروں سے فرمایا:

''تم لوگ اپنی اپنی قوم کی طرف سے اس طرح میرے کفیل ہو جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواری ان کے کفیل تھے اور میں اپنی قوم یعنی مہاجروں کی طرف سے کفیل اور ذمے دار ہوں۔''

اس بیعت کو بیعتِ عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ یہ بہت اہم تھی۔ اس بیعت کے ہونے پر شیطان نے بہت واویلا کیا، چیخا اور چلایا کیوں کہ یہ اسلام کی ترقی کی بنیاد تھی۔

جب یہ مسلمان مدینہ پہنچے تو انہوں نے کھل کر اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ اعلانیہ نمازیں پڑھنے لگے۔ مدینہ منورہ میں حالات سازگار دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا کیونکہ قریش کو جب یہ پتا چلا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ جو قوم کے ساتھ ناطہ جوڑ لیا ہے اور ان کے ہاں ٹھکانا بنالیا ہے تو انہوں نے مسلمانوں کا مکہ میں جینا اور مشکل کر دیا، تکالیف دینے کا ایسا سلسلہ شروع کیا کہ اب تک ایسا نہیں کیا تھا۔ روز بروز صحابہ کی پریشانیاں اور مصیبتیں بڑھتی چلی گئیں۔ کچھ صحابہ کو دین سے پھیرنے کے لیے طرح طرح کے طریقے آزمائے گئے، طرح طرح کے عذاب دیے گئے۔ آخر صحابہ نے اپنی مصیبتوں کی فریاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی اور مکہ سے ہجرت کر جانے کی اجازت مانگی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چند دن خاموش رہے۔ آخر ایک دن فرمایا:

''مجھے تمہاری ہجرت گاہ کی خبر دی گئی ہے... وہ یثرب ہے (یعنی مدینہ)۔''

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ اس اجازت کے بعد صحابہ کرام ایک ایک دو دو کر کے چھپ چھپا کر جانے لگے۔ مدینہ کی

طرف روانہ ہونے سے پہلے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے صحابہ کے درمیان بھائی چارہ فرمایا، انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ فرمایا، اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے درمیان، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے درمیان، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے درمیان، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خود اپنا بھائی بنایا۔

مسلمانوں میں سے جن صحابہ نے سب سے پہلے مدینے کی طرف ہجرت کی، وہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت ابوسلمہ عبداللہ ابن عبداللہ مخزومی رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے تنہا جانے کا ارادہ فرمایا۔ جب یہ حبشہ سے واپس مکہ آئے تھے تو انہیں سخت تکالیف پہنچائی گئی تھیں۔ آخر انہوں نے واپس حبشہ جانے کا ارادہ کرلیا تھا مگر پھر انہیں مدینہ کے لوگوں کے مسلمان ہونے کا پتا چلا تو یہ رک گئے اور ہجرت کی اجازت ملنے پر مدینہ روانہ ہوئے۔ مکہ سے روانہ ہوتے وقت یہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور اپنی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اپنے دودھ پیتے بچے کو بھی ساتھ سوار کرلیا۔ جب ان کے سسرال والوں کو پتا چلا تو وہ انہیں روکنے کے لیے دوڑے اور راستے میں جا پکڑا۔ ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔

☆☆☆

قتل کی سازش

انہوں نے ان کے اونٹ کی مہار پکڑی اور بولے:

''اے ابوسلمہ! تم اپنے بارے میں اپنی مرضی کے مختار ہو مگر اُم سلمہ ہماری بیٹی ہے، ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ تم اسے ساتھ لے جاؤ۔''

یہ کہہ کر انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی لگام کھینچ لی۔ اسی وقت ابوسلمہ کے خاندان کے لوگ وہاں پہنچ گئے اور بولے:

''ابوسلمہ کا بیٹا ہمارے خاندان کا بچہ ہے، جب تم نے اپنی بیٹی کو اس کے قبضے سے چھڑا لیا تو ہم بھی اپنے بچے کو اس کے ساتھ نہیں جانے دیں گے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے بچے کو چھین لیا۔ اس طرح ان ظالموں نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی اور بچے سے جدا کر دیا۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تنہا ہی مدینہ منورہ پہنچے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا شوہر اور بچے کی جدائی کے غم میں روزانہ صبح سویرے مکہ سے باہر مدینہ منورہ کی طرف جانے والے راستے میں جا کر بیٹھ جاتیں اور روتی رہتیں۔ ایک دن ان کا ایک رشتے دار ادھر سے گزرا۔ اس نے انہیں روتے دیکھا تو ترس آ گیا۔ وہ اپنی قوم کے لوگوں میں گیا اور ان سے بولا:

''تمہیں اس غریب پر رحم نہیں آتا... اسے اس کے شوہر اور بچے سے جدا کر دیا، کچھ تو

خیال کرو۔"

آخران کے دل پسیج گئے۔ انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جانے کی اجازت دے دی۔ یہ خبر سن کر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے رشتے داروں نے بچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا اور انہیں اجازت دے دی کہ بچے کو لے کر مدینہ چلی جائیں۔ اس طرح انہوں نے مدینہ کی طرف تنہا سفر شروع کیا۔ راستے میں انہیں حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ملے، یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، کعبہ کے چابی بردار تھے۔ یہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے۔ یہ ان کی حفاظت کی غرض سے ان کے اونٹ کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ انہیں قبا میں پہنچا دیا۔ پھر حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے:

"تمہارے شوہر یہاں موجود ہیں۔"

اس طرح ام سلمہ رضی اللہ عنہا مدینہ پہنچیں۔ آپ پہلی مہاجر خاتون ہیں جو شوہر کے بغیر مدینہ آئیں۔ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ پہنچا کر جو عظیم احسان کیا تھا، اس کی بنیاد پر یہ کہا کرتی تھیں:

"میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ نیک اور شریف کسی کو نہیں پایا۔"

اس کے بعد مکہ سے مسلمانوں کی مدینہ آمد شروع ہوئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک کے بعد ایک آتے رہے۔ انصاری مسلمان انہیں اپنے گھروں میں ٹھہراتے۔ ان کی ضروریات کا خیال رکھتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عیاش بن ابو ربیعہ رضی اللہ عنہ بیس آدمیوں کے ایک قافلے کے ساتھ مدینہ پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت کی خاص بات یہ ہے کہ مکہ سے چھپ کر نہیں نکلے بلکہ باقاعدہ اعلان کر کے نکلے۔ انہوں نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا، پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد مشرکین سے بولے:

"جو شخص اپنے بچوں کو یتیم کرنا چاہتا ہے، اپنی بیوی کو بیوہ کرنا چاہتا ہے یا اپنی ماں کی

گو دو یران کرنا چاہتا ہے... وہ مجھے جانے سے روک کر دکھائے۔''

ان کا اعلان سن کر سارے قریش کو سانپ سونگھ گیا۔ کسی نے ان کا پیچھا کرنے کی جرات نہ کی۔ وہ بڑے وقار سے ان سب کے سامنے روانہ ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کی تیاری کر رہے تھے۔ ہجرت سے پہلے وہ آرزو کیا کرتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کریں۔ وہ روانگی کی تیاری کر چکے تھے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''ابوبکر! جلدی نہ کرو، امید ہے۔ مجھے بھی اجازت ملنے والی ہے۔''

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رک گئے۔ انہوں نے ہجرت کے لیے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ انہوں نے ان دونوں کو آٹھ سو درہم میں خریدا تھا اور انہیں چار ماہ سے کھلا پلا رہے تھے۔

ادھر مشرکین نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان مدینہ ہجرت کرتے جا رہے ہیں اور مدینہ کے رہنے والے بڑے جنگ جو ہیں... وہاں مسلمان روز بروز طاقت پکڑتے چلے جائیں گے تو انہیں خوف محسوس ہوا کہ اللہ کے رسول بھی کہیں مدینہ نہ چلے جائیں اور وہاں انصار کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف جنگ کی تیاری نہ کرنے لگیں... تو وہ سب جمع ہوئے... اور سوچنے لگے کہ کیا قدم اٹھائیں۔

یہ قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے تھے، دارالندوہ ان کے مشورہ کرنے کی جگہ تھی۔ یہ پہلا پختہ مکان تھا جو مکہ میں تعمیر ہوا۔ قریش کے اس مشورے میں شیطان بھی شریک ہوا۔ وہ انسانی شکل میں آیا تھا اور ایک بوڑھے کے روپ میں تھا، سبز رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ وہ دروازے پر آ کر ٹھہر گیا۔ اسے دیکھ کر لوگوں نے پوچھا:

''آپ کون بزرگ ہیں۔''

اس نے کہا:

''میں نجد کا سردار ہوں۔ آپ لوگ جس غرض سے یہاں جمع ہوئے ہیں، میں بھی اسی

کے بارے میں سن کر آیا ہوں تاکہ آپ لوگوں کی باتیں سنوں اور ہوسکے تو کوئی مفید مشورہ بھی دوں۔''

اس پر قریشیوں نے اسے اندر بلا لیا۔ اب انہوں نے مشورہ شروع کیا۔ ان میں سے کوئی بولا:

''اس شخص (یعنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا معاملہ تم دیکھ ہی چکے ہو، اللہ کی قسم! اب ہر وقت اس بات کا خطرہ ہے کہ یہ اپنے نئے اور اجنبی مددگاروں کے ساتھ مل کر ہم پر حملہ کرے گا، لہٰذا مشورہ کرکے اس کے بارے میں کوئی ایک بات طے کرلو۔''

وہاں موجود ایک شخص ابوالبختری بن ہشام نے کہا:

''اسے بیڑیاں پہنا کر ایک کوٹھری میں بند کردو اور اس کے بعد کچھ عرصہ تک انتظار کرو، تاکہ اس کی بھی وہی حالت ہوجائے جو اس جیسے شاعروں کی ہوچکی ہے اور یہ بھی انہی کی طرح موت کا شکار ہوجائے۔''

اس پر شیطان نے کہا:

''ہرگز نہیں! یہ رائے بالکل غلط ہے، یہ خبر اس کے ساتھیوں تک پہنچ جائے گی، وہ تم پر حملہ کردیں گے اور اپنے ساتھی کو نکال کر لے جائیں گے... اس وقت تمہیں پچھتانا پڑے گا، لہٰذا کوئی اور ترکیب سوچو۔''

اب ان میں بحث شروع ہوگئی۔ اسود بن ربیعہ نے کہا:

''ہم اسے یہاں سے نکال کر جلاوطن کردیتے ہیں... پھر یہ ہماری طرف سے کہیں بھی چلا جائے۔''

اس پر نجدی یعنی شیطان کہنے لگا:

''یہ رائے بھی غلط ہے۔ تم دیکھتے نہیں، اس کی باتیں کس قدر خوب صورت ہیں، کتنی میٹھی ہیں، وہ اپنا کلام سنا کر لوگوں کے دلوں کو موہ لیتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے اسے جلاوطن کردیا تو تمہیں امن نہیں ملے گا۔ یہ کہیں بھی جا کر لوگوں کے دلوں کو موہ لے گا۔ پھر تم پر

حملہ آور ہوگا... اور تمہاری یہ ساری سرداری چھین لے گا... لہٰذا کوئی اور بات سوچو۔''

اس پر ابوجہل نے کہا:

''میری ایک اور ہی رائے ہے اور اس سے بہتر رائے کوئی نہیں ہو سکتی۔''

سب نے کہا:

''اور وہ کیا ہے؟''

ابوجہل کہنے لگا:

''آپ لوگ ہر خاندان اور ہر قبیلے کا ایک ایک بہادر اور طاقت ور نوجوان لیں۔ ہر ایک کو ایک ایک تلوار دیں۔ ان سب کو محمد پر حملہ کرنے کے لیے صبح سویرے بھیجیں۔ وہ سب ایک ساتھ اس پر اپنی تلواروں کا ایک بھرپور وار کریں... اس طرح اسے قتل کر دیں۔ اس سے ہوگا یہ کہ اس کے قتل میں سارے قبیلے شامل ہو جائیں گے، لہٰذا محمد کے خاندان والوں میں اتنی طاقت نہیں ہوگی کہ وہ ان سب سے جنگ کریں... لہٰذا وہ خون بہا (یعنی فدیے کی رقم) لینے پر آمادہ ہو جائیں گے، وہ ہم انہیں دے دیں گے۔''

اس پر شیطان خوش ہو کر بولا:

''ہاں! یہ ہے اعلیٰ رائے... میرے خیال میں اس سے اچھی رائے کوئی اور نہیں ہو سکتی۔''

چنانچہ اس رائے کو سب نے منظور کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی جبرئیل علیہ السلام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے عرض کیا:

''آپ روزانہ جس بستر پر سوتے ہیں، آج اس پر نہ سوئیں۔''

اس کے بعد انہوں نے مشرکین کی سازش کی خبر دی، چنانچہ سورۃ الانفال کی آیت 30 میں آتا ہے:

ترجمہ: اور اس واقعے کا بھی ذکر کیجیے جب کافر لوگ آپ کی نسبت بری بری تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آیا آپ کو قید کر لیں، یا قتل کر ڈالیں، یا آپ کو جلا وطن کر دیں اور وہ اپنی

تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور سب سے زیادہ مضبوط تدبیر والا اللہ ہے۔''

غرض جب رات ایک تہائی گزر گئی تو مشرکین کا ٹولہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تک پہنچ کر چھپ گیا... وہ انتظار کرنے لگا کہ کب وہ سوئیں اور وہ سب یک دم ان پر حملہ کر دیں۔ان کفار کی تعداد ایک سو تھی۔

☆☆☆

مکہ سے غار ثور تک

ادھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''تم میرے بستر پر سو جاؤ اور میری یمنی چادر اوڑھ لو۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

''تمہارے ساتھ کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش نہیں آئے گا۔''

مشرکوں کے جس گروہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو گھیر رکھا تھا، ان میں حکیم بن ابوالعاص، عقبہ بن ابی معیط، نصر بن حارث، اسید بن خلف، زمعہ ابن اسود اور ابوجہل بھی شامل تھے۔ ابوجہل اس وقت دبی آواز میں اپنے ان ساتھیوں سے کہہ رہا تھا:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے، اگر تم اس کے دین کو قبول کر لو گے تو تمہیں عرب اور عجم کی بادشاہت مل جائے گی اور مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندگی عطا کی جائے گی اور وہاں تمہارے لیے ایسی جنتیں ہوں گی، ایسے باغات ہوں گے جیسے اردن کے باغات ہیں، لیکن اگر تم میری پیروی نہیں کرو گے تو تم سب تباہ ہو جاؤ گے، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے تو تمہارے لیے وہاں جہنم کی آگ تیار ہو گی، اس میں تمہیں جلایا جائے گا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے یہ الفاظ سن لیے، آپ یہ کہتے ہوئے گھر سے نکلے:

''ہاں! میں یقیناً یہ بات کہتا ہوں۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مٹھی میں کچھ مٹی اٹھائی اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

ترجمہ: یس ۔قسم ہے حکمت والے قرآن کی ، بے شک آپ ، پیغمبروں کے گروہ میں سے ہیں، سیدھے راستے پر ہیں۔ یہ قرآن زبردست اللہ مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ (پہلے تو) ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے سو اسی سے یہ بے خبر ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے، سو یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں تک اڑ گئے ہیں، جس سے ان کے سر اوپر کو اُٹھ گئے ہیں اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی ہے اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی ہے جس سے ہم نے انہیں ہر طرف سے پردوں سے گھیر دیا ہے، سو وہ دیکھ نہیں سکتے۔''

یہ سورہ یٰسین کی آیات 1 تا 9 کا ترجمہ ہے۔ ان آیات کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے کفار کو وقتی طور پر اندھا کر دیا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سامنے سے جاتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مٹی پھینکی تھی ، وہ ان سب کے سروں پر گری، کوئی ایک بھی ایسا نہ بچا، جس پر مٹی نہ گری ہو۔

جب قریش کو پتا چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سروں پر خاک ڈال کر تشریف لے جا چکے ہیں تو وہ سب گھر کے اندر داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ چادر اوڑھے سو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ بولے:

''خدا کی قسم یہ تو اپنی چادر اوڑھے سو رہے ہیں، لیکن جب چادر الٹی گئی تو بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نظر آئے۔ مشرکین حیرت زدہ رہ گئے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''تمہارے صاحب کہاں ہیں؟''

مگر انہوں نے کچھ نہ بتایا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مارتے ہوئے باہر لے آئے اور مسجد حرام تک لائے، کچھ دیر تک انہوں نے انہیں روکے رکھا، پھر چھوڑ دیا۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کے سفر پر روانہ ہونا تھا۔ انہوں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا:

''میرے ساتھ دوسرا ہجرت کرنے والا کون ہے؟''

جواب میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

''ابوبکر صدیق ہوں گے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ اسی حالت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے۔ دروازے پر دستک دی تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے دروازہ کھولا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں اور چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔

یہ سنتے ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بول اُٹھے:

''اللہ کی قسم! اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً کسی خاص کام سے تشریف لائے ہیں۔''

پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی چارپائی پر بٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دوسرے لوگوں کو یہاں سے ہٹا دو۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! یہ تو سب میرے گھر والے ہیں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً بولے:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا میں آپ کے ساتھ جاؤں گا؟''

جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہاں! تم میرے ساتھ جاؤ گے۔''

یہ سنتے ہی مارے خوشی کے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے اپنے والد کو روتے دیکھا تو حیران ہوئی... اس لیے کہ میں اس وقت تک نہیں جانتی تھی کہ انسان خوشی کی وجہ سے بھی رو سکتا ہے۔

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ ان دونوں اونٹنیوں میں سے ایک لے لیں، میں نے انہیں اسی سفر کے لیے تیار کیا ہے۔''

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں یہ قیمت دے کر لے سکتا ہوں۔''

یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان! میں اور میرا سب مال تو آپ ہی کا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹنی لے لی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کی قیمت دی تھی۔ اس اونٹنی کا نام قصویٰ تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کے پاس ہی رہی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اس کی موت واقع ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر ہم نے ان دونوں اونٹنیوں کو جلدی جلدی سفر کے لیے تیار کیا۔ چمڑے کی ایک تھیلی میں کھانے پینے کا سامان رکھ دیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنی چادر پھاڑ کر اس کے ایک حصے سے ناشتے کی تھیلی باندھ دی۔ دوسرے حصے سے انہوں نے پانی کے برتن کا منہ بند کر دیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمہاری اس اوڑھنی کے بدلے جنت میں دو اوڑھنیاں دے گا۔''

اوڑھنی کو پھاڑ کر دو کرنے کے عمل کی بنیاد پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ذات النطاقین کا لقب ملا یعنی دو اوڑھنیوں والی۔ یاد رہے کہ نطاق اس دوپٹے کو کہا جاتا ہے جسے عرب عورتیں کام کے دوران کمر کے گرد باندھ لیتی تھیں۔

پھر رات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور پہاڑ ثور تک پہنچے۔ سفر کے دوران کبھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چلنے لگتے تو کبھی پیچھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

''ابوبکر! ایسا کیوں کر رہے ہو۔''

جواب میں انہوں نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میں اس خیال سے پریشان ہوں کہ کہیں راستے میں کوئی آپ کی گھات میں نہ بیٹھا ہو۔''

اس پہاڑ میں ایک غار تھا۔ دونوں غار کے دہانے تک پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ آپ ذرا ٹھہریے! پہلے میں غار میں داخل ہوں گا، اگر غار میں کوئی موذی کیڑا ہوا تو کہیں وہ آپ کو نقصان نہ پہنچا دے...''

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے۔ انہوں نے غار کو ہاتھوں سے ٹٹول کر دیکھنا شروع کیا۔ جہاں کوئی سوراخ ملتا، اپنی چادر سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر اس کو بند کر دیتے۔

☆☆☆

اللہ ہمارے ساتھ ہے

اس طرح انہوں نے تمام سوراخ بند کر دیے مگر ایک سوراخ رہ گیا اور اسی میں سانپ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سوراخ پر اپنی ایڑی رکھ دی۔ اس کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم غار میں داخل ہوئے۔ ادھر سانپ نے اپنے سوراخ پر ایڑی دیکھی تو اس پر ڈنک مارا۔

تکلیف کی شدت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو تو نکل پڑے، لیکن انہوں نے اپنے منہ سے آواز نہ نکلنے دی، اس لیے کہ اس وقت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کے زانو پر سر رکھ کر سو رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سانپ کے ڈسنے کے باوجود اپنے جسم کو ذرا سی بھی حرکت نہ دی... نہ آواز نکالی کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ نہ کھل جائے، تاہم آنکھ سے آنسو نکلنے کو وہ کسی طرح نہ روک سکے... وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گرے... ان کے گرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو پوچھا:

''ابوبکر! کیا ہوا؟''

انہوں نے جواب دیا:

''آپ پر میرے ماں باپ قربان... مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن سانپ کے کاٹے کی جگہ پر لگا دیا۔ اس سے تکلیف اور زہر کا اثر فوراً دور ہو گیا۔

صبح ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جسم پر چادر نظر نہ آئی۔ تو دریافت فرمایا:

''ابوبکر! چادر کہاں ہے؟''

انہوں نے بتا دیا:

''اللہ کے رسول! میں نے چادر پھاڑ پھاڑ کر اس غار کے سوراخ بند کیے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے اور فرمایا:

''اے اللہ ابوبکر کو جنت میں میرا ساتھی بنانا۔''

اسی وقت اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے خبر دی کہ آپ کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔

ادھر قریش کے لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں اس غار کے قریب آ پہنچے۔ ان میں سے چند ایک جلدی سے آگے بڑھ کر غار میں جھانکنے لگے۔ غار کے دہانے پر انہیں مکڑی کا جالا نظر آیا۔ ساتھ ہی دو جنگلی کبوتر نظر آئے۔ اس پر ان میں سے ایک نے کہا:

''اس غار میں کوئی نہیں ہے۔''

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ ان میں امیہ بن خلف بھی تھا، اس نے کہا:

''اس غار کے اندر جا کر دیکھو۔''

کسی نے جواب دیا:

''غار کے اندر جا کر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، غار کے منہ پر بہت جالے لگے ہوئے ہیں... اگر وہ اندر جاتے تو یہ جالے باقی نہ رہتے، نہ یہاں کبوتر کے انڈے ہوتے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب ان لوگوں کو غار کے دہانے پر دیکھا تو آپ رو پڑے اور دبی آواز میں بولے:

''اللہ کی قسم! میں اپنی جان کے لیے نہیں روتا... میں تو اس لیے روتا ہوں کہ کہیں یہ لوگ

آپ کو تکلیف نہ پہنچائیں۔"

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ابوبکر! غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

اسی وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل کو سکون بخش دیا۔ ان حالات میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیاس محسوس ہوئی۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کا ذکر کیا... تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"اس غار کے درمیان میں جاؤ اور پانی پی لو۔"

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اٹھ کر غار کے درمیان میں پہنچے۔ وہاں انہیں اتنا بہترین پانی ملا کہ شہد سے زیادہ میٹھا، دودھ سے زیادہ سفید اور مشک سے زیادہ خوشبو والا تھا۔ انہوں نے اس میں سے پانی پیا، جب وہ واپس آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے جنت کی نہروں کے نگران فرشتے کو حکم فرمایا کہ اس غار کے درمیان میں جنت الفردوس سے ایک چشمہ جاری کردیں تاکہ تم اس میں سے پانی پی سکو۔"

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حیران ہوئے اور عرض کیا:

"کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرا اتنا مقام ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہاں! بلکہ اے ابوبکر! اس سے بھی زیادہ ہے، قسم ہے، اس ذات کی جس نے مجھے حق کے پیغام کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے، وہ شخص جو تم سے بغض رکھے، جنت میں داخل نہیں ہوگا۔"

غرض قریش مایوس ہو کر غار ثور سے ہٹ آئے اور ساحلی علاقوں کی طرف چلے گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے اعلان کردیا:

"جو شخص محمد یا ابوبکر کو گرفتار کرے یا قتل کرے، اسے سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اس غار میں تین دن تک رہے۔ اس

دوران ان کے پاس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی آتے جاتے رہے۔ یہ اس وقت کم عمر تھے مگر معاملات کو سمجھتے تھے۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد یہ غار میں آجاتے اور منہ اندھیرے فجر کے وقت وہاں سے واپس آجاتے، اس سے قریش یہ خیال کرتے کہ انہوں نے رات اپنے گھر میں گزاری ہے۔ اس طرح قریش کے درمیان دن بھر جو باتیں ہوتیں، یہ ان کو سنتے اور شام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر بتا دیتے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ پہلے طفیل نامی ایک شخص کے غلام تھے۔ جب یہ اسلام لے آئے تو طفیل نے ان پر ظلم ڈھانا شروع کیا۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس سے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔

یہ بھی ان دنوں غار تک آتے جاتے رہے۔ شام کے وقت اپنی لکڑیاں لے کر وہاں پہنچ جاتے اور رات کو وہیں رہتے۔ صبح منہ اندھیرے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے جانے کے بعد یہ بھی وہاں سے اپنی بکریاں اسی راستے سے واپس لاتے تاکہ ان کے قدموں کے نشانات مٹ جائیں۔ ان تین راتوں تک ان کا برابر یہی معمول رہا۔ یہ ایسا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی یہ حکم دیا تھا کہ وہ دن بھر قریش کی باتیں سنا کریں اور شام کو انہیں بتایا کریں۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو بھی یہ ہدایت تھی کہ دن بھر بکریاں چرایا کریں اور شام کو غار میں ان کا دودھ پہنچایا کریں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا بھی شام کے وقت ان کے لیے کھانا پہنچاتی تھیں۔

ان تین کے علاوہ اس غار کا پتا کسی کو نہیں تھا۔ تین دن اور تین رات گزرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''اب تم علی کے پاس جاؤ، انہیں غار کے بارے میں بتادو اور ان سے کہو، وہ کسی رہبر کا انتظام کردیں، آج رات کا کچھ پہر گزرنے کے بعد وہ رہبر یہاں آ جائے۔''

چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سیدھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں۔ انہیں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً اجرت پر ایک راہبر کا انتظام کیا۔ اس کا نام اریقط ابن عبداللہ لیثی تھا۔ یہ راہبر رات کے وقت وہاں پہنچا۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جونہی اونٹ کے بلبلانے کی آواز سنی، آپ فوراً ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار سے نکل آئے۔ اور راہبر کو پہچان لیا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اونٹوں پر سوار ہو گئے۔

اس سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے اپنے گھر سے وہ رقم بھی منگوالی تھی جو وہاں موجود تھی... یہ رقم چار پانچ ہزار درہم تھی۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تھے تو ان کے پاس چالیس پچاس ہزار درہم موجود تھے۔ گویا یہ تمام دولت انہوں نے اللہ کے راستے میں خرچ کر دی تھی۔ جاتے وقت بھی گھر میں جو کچھ تھا، منگوالیا... ان کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان کی بینائی ختم ہو گئی تھی... وہ گھر آئے تو اپنی پوتی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے کہنے لگے:

''میرا خیال ہے، ابوبکر اپنی اور اپنے مال کی وجہ سے تمہیں مصیبت میں ڈال گئے ہیں (مطلب یہ تھا کہ جاتے ہوئے سارے پیسے لے گئے ہیں)۔''

یہ سن کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا:

''نہیں بابا! وہ ہمارے لیے بڑی خیر و برکت چھوڑ گئے ہیں۔''

حضرت اسماء کہتی ہیں: ''اس کے بعد میں نے کچھ کنکر ایک تھیلی میں ڈالے اور ان کو طاق میں رکھ دیا۔ اس میں میرے والد اپنے پیسے رکھتے تھے۔ پھر اس تھیلی پر کپڑا ڈال دیا اور اپنے دادا کا ہاتھ ان پر رکھتے ہوئے میں نے کہا:

''یہ دیکھیے! روپے یہاں رکھے ہیں۔''

ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ رکھ کر محسوس کیا اور بولے:

''اگر وہ یہ مال تمہارے لیے چھوڑ گئے ہیں تب فکر کی کوئی بات نہیں، یہ تمہارے لیے کافی ہے۔''

حالاں کہ حقیقت یہ تھی کہ والد صاحب ہمارے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑ گئے تھے۔''

☆☆☆

سواونٹنیوں کا انعام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کر جانے کی خبر ایک صحابی حضرت حمزہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو ملی تو کہنے لگے:

''اب میرے مکہ میں رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔''

پھر انہوں نے اپنے گھر والوں کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ یہ گھرانہ مدینہ منورہ کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ ابھی تنعیم کے مقام تک پہنچا تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے۔ اس واقعے پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں یہ آیت نازل فرمائی:

''اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہوا کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرے گا، پھر اسے موت آ پکڑے، تب بھی اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمے ثابت ہو گیا اور اللہ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں، بڑے رحمت کرنے والے ہیں۔'' (آیت 100)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''حسان! کیا تم نے ابوبکر کے بارے میں بھی کوئی شعر کہا ہے؟''

انہوں نے عرض کیا:

''جی ہاں۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''سناؤ! میں سننا چاہتا ہوں۔''

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بہت بڑے شاعر تھے۔ ان کو ''شاعر رسول'' کا خطاب بھی ملا ہے۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی فرمائش پر انہوں نے جو دو شعر سنائے، ان کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت ابوبکر صدیق جو دو میں کے دوسرے تھے، اس بلند و بالا غار میں تھے اور جب وہ پہاڑ پر پہنچ گئے تو دشمن نے ان کے گرداگرد چکر لگائے۔

یہ آنحضرت کے عاشقِ زار تھے جیسا کہ ایک دنیا جانتی ہے اور اس عشقِ رسول میں ان کا کوئی ثانی یا برابر نہیں تھا۔''

یہ شعر سن کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مسکرانے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کے دانت مبارک نظر آئے۔ پھر ارشاد فرمایا:

''تم نے سچ کہا حسان! وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ تم نے کہا، وہ غار والے کے نزدیک (یعنی میرے نزدیک) سب سے زیادہ پیارے ہیں، کوئی دوسرا شخص ان کی برابری نہیں کر سکتا۔''

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے چلتے دیکھا تو ارشاد فرمایا:

''اے ابو درداء! یہ کیا تم اس شخص سے آگے چلتے ہو جو دنیا اور آخرت میں تم سے زیادہ افضل ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، انبیاء اور مرسلین کے بعد ابوبکر سے زیادہ افضل آدمی پر نہ کبھی سورج طلوع ہوا اور نہ غروب ہوا۔''

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''میرے پاس جبرئیل آئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ ابوبکر سے

مشورہ کیا کیجیے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''میری امت پر ابوبکر کی محبت واجب ہے۔''

یہ چند احادیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں اس لیے نقل کر دی گئیں کہ وہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہجرت کے ساتھی تھے اور یہ عظیم اعزاز ہے۔

غار سے نکل کر حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اونٹوں پر سوار ہوئے اور راہبر کے ساتھ سفر شروع کیا۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسی اونٹ پر سوار تھے۔

غرض یہ مختصر سا قافلہ روانہ ہوا۔ راہبر انہیں ساحلِ سمندر کے راستے سے لے کر جا رہا تھا۔ راستے میں کوئی ملتا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھتا:

''یہ تمہارے ساتھ کون ہیں۔''

تو آپ اس کے جواب میں فرماتے:

''میرے ساتھ میرے راہبر ہیں۔''

یعنی میرے ساتھ مجھے راستہ دکھانے والے ہیں۔ ان کا مطلب تھا کہ یہ دین کا راستہ دکھانے والے ہیں مگر پوچھنے والے اس گول مول جواب سے یوں سمجھتے کہ یہ کوئی راہبر (گائڈ) ہیں جو ساتھ ساتھ جا رہے ہیں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس طرح جواب دینے کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہدایت دی تھی کہ لوگوں کو میرے پاس سے ٹالتے رہنا۔ یعنی اگر کوئی میرے بارے میں پوچھے تو تم یہی ذومعنیٰ (گول مول) جواب دینا، کیونکہ نبی کے لیے کسی صورت میں جھوٹ بولنا مناسب نہیں... چاہے کسی بھی لحاظ سے ہو، چنانچہ جو شخص بھی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں سوال کرتا رہا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہی جواب دے دیتے۔ رہ گئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ...... وہ ان راستوں سے اکثر تجارت کے لیے

جاتے رہتے تھے۔ انہیں اکثر لوگ جانتے تھے... ان سے کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ آپ کون ہیں۔

ادھر قریش نے سو اونٹنیوں کے انعام کا اعلان کیا تھا۔ یہ اعلان سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی سنا جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے۔

سراقہ رضی اللہ عنہ خود اپنی کہانی ان الفاظ میں سناتے ہیں:

''میں نے یہ اعلان سنا ہی تھا کہ میرے پاس ساحلی بستی کا ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا:

''کہ اے سراقہ! میں نے کچھ لوگوں کو ساحل کے قریب جاتے دیکھا ہے اور میرا خیال ہے، وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی ہیں۔''

مجھے بھی یقین ہو گیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی ہی ہو سکتے ہیں، چنانچہ میں اُٹھا، گھر گیا اور اپنی باندی کو حکم دیا کہ میری گھوڑی نکال کر چپکے سے وادی میں پہنچا دے اور وہیں ٹھہر کر میرا انتظار کرے۔ اس کے بعد میں نے اپنا نیزہ نکالا اور اپنے گھر کے پچھلی طرف سے نکل کر وادی میں پہنچا۔ اس راز داری کا مقصد یہ تھا کہ میں اکیلا ہی یہ کام کر ڈالوں اور سو اونٹنیوں کا انعام حاصل کر لوں۔ میں نے اپنی زرہ بھی پہن لی تھی۔ پھر میں اپنی گھوڑی پر سوار ہو کر اس طرف روانہ ہوا۔ میں نے اپنی گھوڑی کو بہت تیز دوڑایا۔ یہاں تک کہ آخر کار میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کچھ فاصلے پر پہنچ گیا، لیکن اسی وقت میری گھوڑی کو ٹھوکر لگی، وہ منہ کے بل نیچے گری، میں بھی نیچے گرا، پھر گھوڑی اٹھ کر ہنہنانے لگی۔ میں اُٹھا۔ میرے ترکش میں فال کے تیر تھے۔ یہ وہ تیر تھے جن سے عرب کے لوگ فال نکالتے تھے۔ ان میں سے کسی تیر پر لکھا ہوتا تھا ''کرو'' اور کسی پر لکھا ہوتا تھا ''نہ کرو'' میں نے ان میں سے ایک تیر لیا اور فال نکالی... یعنی میں جاننا چاہتا تھا، یہ کام کروں یا نہ کروں... فال میں انکار نکلا... یعنی یہ کام نہ کرو، لیکن یہ بات میری مرضی کے خلاف تھی، میں سو اونٹنیوں کا انعام حاصل کرنا چاہتا تھا۔ نہ والا تیر نکلنے کے باوجود میں گھوڑی پر سوار ہو کر آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بہت قریب پہنچ گیا

جو کہ اس وقت قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے اور پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے، البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مڑ مڑ کر بار بار دیکھ رہے تھے۔

اسی وقت میری گھوڑی کی اگلی دونوں ٹانگیں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئیں، حالانکہ وہاں زمین سخت اور پتھریلی تھی۔ میں گھوڑی سے اُترا... اسے ڈانٹا... وہ کھڑی ہوگئی، لیکن اس کی ٹانگیں ابھی تک زمین میں دھنسی ہوئی تھیں، وہ زمین سے نہ نکلیں۔

میں نے پھر فال نکالی۔ انکار والا تیر ہی نکلا۔ آخر میں پکار اُٹھا:

''میری طرف دیکھیے! میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا اور نہ میری طرف سے آپ کو کوئی ناگوار بات پیش آئے گی... میں سراقہ بن مالک ہوں، آپ کا ہمدرد ہوں... آپ کو نقصان پہنچانے والا نہیں ہوں... مجھے معلوم نہیں کہ میری بستی کے لوگ بھی آپ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں یا نہیں۔''

یہ کہنے سے میرا مطلب تھا، اگر کچھ اور لوگ اس طرف آ رہے ہوں گے تو میں انہیں روک دوں گا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اس سے پوچھو... یہ کیا چاہتا ہے۔''

اب میں نے انہیں اپنے بارے میں بتایا... اپنے ارادے کے بارے میں بتا دیا اور بولا:

''بس آپ دعا کر دیجیے کہ میری گھوڑی کی ٹانگیں زمین سے نکل آئیں... میں وعدہ کرتا ہوں، اب آپ کا پیچھا نہیں کروں گا۔''

☆☆☆

حضرت اُمِّ معبدؓ کے خیمے پر

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دعا فرمائی۔ آپ کے دعا فرماتے ہی حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کی گھوڑی کے پاؤں زمین سے نکل آئے۔

گھوڑی کے پاؤں جونہی باہر آئے، سراقہ رضی اللہ عنہ پھر اس پر سوار ہوئے اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف بڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''اے اللہ! ہمیں اس سے باز رکھ۔''

اس دعا کے ساتھ ہی گھوڑی پیٹ تک زمین میں دھنس گئی۔ اب انہوں نے کہا:

''اے محمد! میں قسم کھا کر کہتا ہوں... مجھے اس مصیبت سے نجات دلا دیں... میں آپ کا ہمدرد ثابت ہوں گا۔''

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''اے زمین! اسے چھوڑ دے۔''

یہ فرمانا تھا کہ ان کی گھوڑی زمین سے نکل آئی... بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ سراقہ رضی اللہ عنہ نے سات مرتبہ وعدہ خلافی کی... ہر بار ایسا ہی ہوا... بعض روایات میں ہے کہ ایسا تین بار ہوا... آخر حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ وہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم تک نہیں پہنچ سکتے... چنانچہ انہوں نے کہا:

''میں اب آپ کا پیچھا نہیں کروں گا... آپ میرے سامان میں سے کچھ لینا چاہیں تو لے لیں... سفر میں آپ کے کام آئے گا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

''تم بس اپنے آپ کو روکے رکھو اور کسی کو ہم تک نہ آنے دو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا:

''اے سراقہ! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہیں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔''

سراقہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر حیران ہوئے اور بولے:

''آپ نے کیا فرمایا... کسریٰ بادشاہ کے کنگن مجھے پہنائے جائیں گے۔''

ارشاد فرمایا:

''ہاں! ایسا ہی ہوگا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حیرت انگیز ترین پیش گوئی تھی... کیونکہ اس وقت ایسا ہونے کا قطعاً کوئی امکان دور دور تک نہیں تھا، لیکن پھر ایک وقت آیا کہ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب مسلمانوں کو فتوحات پر فتوحات ہوئیں اور ایران کے بادشاہ کسریٰ کو شکست فاش ہوئی تو اس مال غنیمت میں کسریٰ کے کنگن بھی تھے۔ یہ کنگن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سراقہ رضی اللہ عنہ کو پہنائے، اور اس وقت سراقہ رضی اللہ عنہ کو یاد آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت ارشاد فرمایا تھا:

''اے سراقہ! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا، جب تمہیں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔''

اپنے ایمان لانے کی تفصیل سراقہ رضی اللہ عنہ یوں بیان کرتے ہیں:

''جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حنین اور طائف کے معرکوں سے فارغ ہو چکے تو میں ان سے ملنے کے لیے روانہ ہوا۔ ان سے میری ملاقات جعرانہ کے مقام پر ہوئی۔ میں

انصاری سواروں کے درمیان سے لشکر کے اس حصے کی طرف روانہ ہوا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر تشریف فرما تھے۔ میں نے نزدیک پہنچ کر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں سراقہ ہوں۔''

ارشاد فرمایا:

''قریب آ جاؤ۔''

میں نزدیک چلا آیا اور پھر ایمان لے آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے کنگن مجھے پہناتے ہوئے فرمایا تھا:

''تمام تعریفیں اس ذات باری تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے یہ چیزیں شاہِ ایران کسریٰ بن ہرمز سے چھین لیں جو یہ کہا کرتا تھا، میں انسانوں کا پروردگار ہوں۔''

یہ سراقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی ملنے کے بعد واپس پلٹے اور راستے میں جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں آتا ہوا انہیں ملا، یہ اسے یہ کہہ کر لوٹاتے رہے:

''میں اس طرف ہی سے ہو کر آ رہا ہوں... ادھر مجھے کوئی نہیں ملا... اور آپ لوگ جانتے ہی ہیں کہ مجھے راستوں کی کتنی پہچان ہے۔''

غرض اس روز یہ قافلہ تمام رات چلتا رہا... یہاں تک کہ چلتے چلتے اگلے دن دوپہر کا وقت ہو گیا۔ اب دور دور تک کوئی آتا جاتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایسے میں سامنے ایک چٹان ابھری ہوئی نظر آئی۔ اس کا سایہ کافی دور تک پھیلا ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ پڑاؤ ڈالنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سواری سے اترے اور اپنے ہاتھوں سے جگہ کو صاف کرنے لگے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹان کے سائے میں سو سکیں۔ جگہ صاف کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی پوستین وہاں بچھا دی اور عرض کیا:

''اللہ کے رسول! یہاں سو جائیے... میں پہرہ دوں گا...''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔ ایسے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

ایک چرواہے کو چٹان کی طرف آتے دیکھا... شاید وہ بھی سائے میں آرام کرنا چاہتا تھا۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً اس طرف مڑے اور اس سے بولے:

''تم کون ہو؟''

اس نے بتایا:

''میں مکّہ کا رہنے والا ایک چرواہا ہوں۔''

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے:

''کیا تمہاری بکریوں میں کوئی دودھ والی بکری ہے؟''

جواب میں اس نے کہا: ''ہاں ہے'' پھر وہ ایک بکری سامنے لایا۔ اپنے ایک برتن میں اس کا دودھ دوہا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا۔ وہ دودھ کا برتن اُٹھائے، آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے جو کہ اس وقت سو رہے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جگانا مناسب نہ سمجھا، دودھ کا برتن لیے اس وقت تک کھڑے رہے، جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ نہیں گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دودھ میں پانی کی دھار ڈالی تاکہ وہ ٹھنڈا ہو جائے، پھر خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا:

''یہ دودھ پی لیجیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا، پھر پوچھا:

''کیا روانگی کا وقت ہو گیا ہے۔''

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''جی ہاں! ہو گیا ہے۔''

اب یہ قافلہ پھر روانہ ہوا... ابھی کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ ایک خیمہ نظر آیا۔ خیمے کے باہر ایک عورت بیٹھی تھی۔ یہ اُمِ معبد رضی اللہ عنہا تھیں جو اس وقت تک اسلام کی دعوت سے محروم تھیں۔ ان کا نام عاتکہ تھا۔ یہ ایک بہادر اور شریف خاتون تھیں۔

انہوں نے بھی آنے والوں کو دیکھ لیا۔ اس وقت اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم نہیں تھا

کہ چھوٹا سا یہ قافلہ کن ہستیوں کا ہے۔ نزدیک آنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کے پاس ایک بکری کھڑی نظر آئی... وہ بہت ہی کمزور اور دبلی پتلی سی بکری تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ معبد رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا:

''کیا اس کے تھنوں میں دودھ ہے؟''

اُمّ معبد رضی اللہ عنہا بولیں:

''اس کمزور اور مریل بکری کے تھنوں میں دودھ کہاں سے آئے گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کیا تم مجھے اس کو دوہنے کی اجازت دو گی۔''

اس پر اُمّ معبد رضی اللہ عنہا بولیں:

''لیکن یہ تو ابھی ویسے بھی دودھ دینے والی نہیں ہوئی... آپ خود سوچیے، یہ دودھ کس طرح دے سکتی ہے... میری طرف سے اجازت ہے، اگر اس سے آپ دودھ نکال سکتے ہیں تو نکال لیجیے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بکری کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کمر اور تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور یہ دعا کی:

''اے اللہ! اس بکری میں ہمارے لیے برکت عطا فرما۔''

جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی... بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے اور ان سے دودھ ٹپکنے لگا۔

یہ نظارہ دیکھ کر اُمّ معبد رضی اللہ عنہا حیرت زدہ رہ گئیں۔

☆☆☆

مؤلف مولانا مفتی عبد الشکور قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب عبد الصبور علوی

ہر شعبہ زندگی سے متعلق مبارک سنتوں کا حسین گلدستہ

اللہ جل شانہٗ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل میں محبت رکھنے والوں کیلئے انمول تحفہ

ایک ایسی کتاب جو آپ کو ایک دن میں کئی مبارک سنتوں پر عمل کر کے بے شمار دنیاوی و اخروی رحمتوں اور برکتوں کے حصول کے ساتھ اللہ جل شانہٗ کی محبت اور جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کی سعادت حاصل کرنے کی راہ بتائے گی۔

جس میں سونے اور بیدار ہونے کے متعلق 27 سنتیں • بیت الخلاء سے متعلق 20 سنتیں • مسواک اور غسل سے متعلق 16 سنتیں • مسجد اور اذان سے متعلق 49 سنتیں • ذکر اللہ سے متعلق 23 سنتیں • کھانا کھانے اور پانی پینے سے متعلق 50 سنتیں • لباس سے متعلق 24 سنتیں • گھر سے متعلق 11 سنتیں • سلام، مصافحہ، معانقہ اور مجلس ومحفل، ہنسی و مذاق اور گفتگو سے متعلق 75 سنتیں • چھینک اور جمائی سے متعلق 12 سنتیں • جسم کے بالوں سے متعلق 21 سنتیں • وعدے اور قسموں سے متعلق 18 سنتیں • طعن وتشنیع اور غیبت سے بچنے کے متعلق 19 سنتیں • مریض کی عیادت سے متعلق 11 سنتیں • نذر و نیاز سے متعلق 15 سنتیں • شفقت ومحبت سے متعلق 14 سنتیں • بچوں کی تربیت اور نام رکھنے سے متعلق 21 سنتیں • والدین اور رشتہ داروں سے متعلق 10 سنتیں • کسب حلال، معاملات وتجارت اور سفر سے متعلق 35 سنتیں • نکاح، جہیز، حق مہر اور ولیمہ سے متعلق 26 سنتیں • ضیافت مہمان نوازی سے متعلق 13 سنتیں • صلح واتحاد سے متعلق 6 سنتیں • اللہ جل شانہٗ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، بندگان خدا اور اسلام سے محبت کے متعلق 10 سنتیں • دعاؤں سے متعلق 13 سنتیں اور

• مختلف حاجات، بیماریوں اور پریشانیوں سے متعلق تقریباً 100 کے قریب دعائیں اور وظائف

• نیز موت اور کفن دفن سے متعلق 28 سنتوں کا دلنشین مجموعہ

• زہرا چیمبر، نزد عسکری پارک، مین یونیورسٹی روڈ، کراچی
فون: 2038163 موبائل 0321-3817119
• غزنی اسٹریٹ، یوسف مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
موبائل: 0321-4545028, 0300-4274916

تمام بڑے کتب خانوں پر دستیاب ہے